قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بیّنات

جلد: ۸۹ شمارہ: ۱۱

ذوالقعدہ: ۱۴۴۷ھ - مئی: ۲۰۲۶ء

قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر/مُدیر مسئول

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سید احمد یوسف بنوری

مُدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ’’بینات‘‘ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800 پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ’’بینات‘‘: 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ : 50 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ’’بینات‘‘ میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

شکریہ پاکستان! زندہ باد پاکستان!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

مکاتیب حضرت مولانا قاسم محمد سیما رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ	۷	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
حسنِ معاشرت!	۱۱	ادارہ
تفسیرِ قرآن میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی تلامذہ	۲۰	مولانا ڈاکٹر فہد انوار
تعلیماتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور عہدِ حاضر	۲۶	مولانا سفیان علی فاروقی
حج: اسلام کا بنیادی رکن!	۳۱	مولانا احمد یوسف عبدالرحیم
تزکیہ و تصوف ... حقیقت - ضرورت	۳۵	مفتی زبیر شاہ بنوی
حضرت مولانا نور الدین بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ ... زہد و قناعت	۴۰	مولانا ڈاکٹر اکرام اللہ خان
گرمی کی شدت سے بچاؤ، دینِ اسلام کی روشنی میں	۴۲	مولانا محمد عرفان اللہ اختر
مزدور کے حقوق ... قرآن وسنت کی روشنی میں	۴۶	مولانا قاری محمد سلمان عثمانی
غیر معتبر روایات ... فکر و آگاہی کی ضرورت	۵۰	اُمِ حماد و جیہہ محمد عثمان

یادِ رفتگان

حضرت مولانا محمد سالک ربانی رحمۃ اللہ علیہ	۵۴	محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

حج ۲۰۲۶ء کی قانونی پابندیوں کی وجہ سے رمی، قربانی اور حلق یا قصر میں ترتیب کا حکم	۵۸	ادارہ
گزشتہ سالوں میں سونے کی زکاۃ ادا نہ کی ہو تو اب کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۶۱	
عورتوں کا قبرستان جانا	۶۲	

نقد و نظر

فقہِ اسلامی (ایک جامع تعارف)	۶۴	ادارہ

بصائر و عبر

شکریہ پاکستان! زندہ باد پاکستان!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی!

اسرائیل جو خود اپنے وجود کے اعتبار سے عالمی استعماری طاقتوں کے سہارے کا محتاج تھا، آج وہی غیر قانونی اور غاصب ریاست اتنی خودسر اور اپنے سرپرستوں پر اتنی حاوی ہوچکی ہے کہ اس کے اشاروں بلکہ خواہشوں پر دنیا بھر میں جنگیں مسلط کی جارہی ہیں۔ اس کے کہنے پر امریکا نے ایران کی صف اول کی قیادت اور فوجی سربراہان کو چند ہی دنوں میں موت کے گھاٹ اُتار دیا، سمندر میں موجود ایران کے کئی جہازوں کو عملے سمیت بمباری کر کے سمندر بُرد کر دیا گیا، بچیوں کے اسکول پر حملہ کر کے ۱۶۳ بچیوں کو مار دیا گیا، تیل کے کنوؤں، بجلی گھروں اور ریل کی پٹریوں کو اُڑایا گیا، یہاں تک کہ امریکا نے چند گھنٹوں کا الٹی میٹم دے کر پوری ایرانی تہذیب کو ملیامیٹ کرنے کا کہہ دیا، اور ایران پر ایٹمی حملے کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ اِدھر ایران نے خلیجی ممالک میں موجود امریکی اڈوں پر میزائل داغنا شروع کر دیے، اگر چند میزائل اسرائیل کی طرف جاتے تو بیسیوں کی تعداد میں خلیجی ممالک پر برستے، داد دینی چاہیے سعودی حکومت کے صبر و تحمل کو کہ اتنے میزائل گرنے کے باوجود انھوں نے جذباتی ردِعمل دے کر جنگ کے شعلے نہیں بھڑکائے۔

ان مشکل اور نازک ترین حالات میں پاکستان اَمن کا پیامبر بن کر سامنے آیا، سعودی عرب سے

دفاعی معاہدہ ہونے کے باوجود سعودیہ اور ایران دونوں کو صبر وتحمل سے کام لینے پر آمادہ کیا اور مشرقِ وسطیٰ میں جنگ کی آگ بھڑکانے کے اسرائیلی امریکی سازشی منصوبے کو سفارتی کوششوں کے ذریعے تاحال ناکامی سے دوچار کیا۔ مصر، ترکی، سعودی اور پاکستانی وزرائے خارجہ کا اجلاس ہو یا روس، چین اور یورپی ممالک سے سفارتی سطح پر رابطہ، پاکستان رات دن ایک کرکے اَن تھک کوششوں کے بعد بالآخر دونوں فریقوں کو مذاکرات کے لیے آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا، جس پر ایران کے وزیرِ خارجہ نے ''شکریہ پاکستان! زندہ باد پاکستان'' کے الفاظ سے پاکستان کا شکریہ ادا کیا۔ ایرانی عوام نے وزیراعظم پاکستان، وزیرِ خارجہ اور فیلڈ مارشل پاکستان کے نام سے ترانے پڑھے، سعودی عرب اور مصر نے بھی معاہدۂ اَمن کی اِن پاکستانی کوششوں پر ترانے بنائے۔

پاکستانی تاریخ میں کئی مواقع ایسے آئے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم اور اپنی خاص عطا سے پاکستانی قوم کو بین الاقوامی طور پر عزت وافتخار اور اعزاز وانعام سے نوازا ہے۔ ۲۸؍ مئی ۱۹۹۸ء کو ایٹمی دھماکے کرکے ایٹمی قوت بننے سے لے کر گزشتہ برس ۱۰؍ مئی ۲۰۲۵ء کو بھارت کے خلاف ''بنیان مرصوص'' کے عنوان سے معرکۂ حق تک، اللہ تعالیٰ نے پاکستانی قوم اور ملک کو فتح وکامرانی اور عزت ونام وَری کے اعزازات سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان ہی انعامات کا تسلسل ہے کہ ۱۱؍ اپریل ۲۰۲۶ء کو پاکستان کا نام پوری دنیا میں اس وقت عزت واحترام سے لیا جانے لگا جب اس کی اَن تھک کوششوں کے نتیجے میں ایران اور امریکا کے درمیان ۳۸؍ دن سے جاری جنگ نہ صرف دو ہفتوں کے لیے عارضی طور پر موقوف ہوگئی، جو تیسری عالمی جنگ میں تبدیل ہونے جا رہی تھی اور خطے میں جوہری جنگ کے خدشات جنم لینے لگے تھے، بلکہ اس عالمی جنگ کے دونوں فریقوں کو ۴۷؍ سال بعد پہلی مرتبہ مذاکرات کی میز پر بھی لا بٹھایا، جس کی بنا پر دنیا بھر میں پاکستان کا روشن اور مثبت رُخ اُبھر کر سامنے آیا، بلکہ پاکستان کی اَمن پسندی کی صحیح تصویر بھی دنیا نے دیکھ لی، جس کو دشمن اب تک دُھندلا کر، بلکہ مسخ کرکے دنیا کے سامنے پیش کرتے آرہے تھے۔ اس کا تمام تر سہرا وزیراعظم پاکستان میاں محمد شہباز شریف، نائب وزیراعظم اور وزیرِ خارجہ محترم جناب محمد اسحاق ڈار اور فیلڈ مارشل جناب حافظ سید عاصم منیر کو جاتا ہے، جنھوں نے فریقین کو مذاکرات کی میز پر بٹھانے کے لیے کلیدی کردار ادا کیا، جس پر انھیں جتنا بھی خراجِ تحسین پیش کیا جائے، کم ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں پاکستان کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے، پاکستان کو اَمن کا پیامبر تسلیم کیا جا رہا ہے، دنیا بھر سے سربراہانِ ریاست فون کرکے پاکستان کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ بھارت کی انتہا پسند مودی حکومت نے پاکستان کو دہشت گرد ریاست ثابت کرنے کے لیے جتنا زور لگایا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے اثرات زائل ہوچکے ہیں اور خود بھارت کے انصاف پسند حلقے بھی پاکستان کی ثالثی کے کردار کو سراہ رَہے ہیں۔

پاکستان کو کل تک ایک سیکورٹی رسک ملک کے طور پر دکھایا جارہا تھا، مگر اس پاکستان نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنی بہترین سفارت کاری سے دنیا بھر میں خود کو قابلِ اعتماد میزبان اور بھروسے مند ثالث کے طور پر منوالیا ہے۔ عالمی جنگ بندی کرواکے اور دہائیوں کے دشمنوں کو مذاکرات کی میز پر بٹھا کر پاکستان نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ہم داخلی وخارجی محاذوں پر مسلط کردہ جنگوں سے نمٹنے کی صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے اَمن کی بقا کے بھی ضامن بن چکے ہیں۔

اسلام آباد امن مذاکرات کا پہلا مرحلہ اگرچہ بظاہر پورے طور پر کامیاب نہ ہوسکا، تاہم اب تک جو حقائق سامنے آئے ہیں ان کے مطابق سوائے چند نکات کے فریقین کا اکثر نکات پر اتفاقِ رائے ہوا ہے، اس طرح کے عالمی تنازعات اور خوفناک جنگ کے فوراً بعد مذاکرات میں اتنا خوشگوار ماحول اور چند باتوں پر سہی جو اتفاق دیکھنے میں آیا ہے، یہ مکمل کامیابی سے کسی طرح کم بھی نہیں ہے، شدید اختلافات کے بعد مذاکرات کا مرحلہ وار ہونا فطری اَمر اور قرینِ مصلحت بھی ہے، اُمید کا دیا ابھی بھی روشن ہے۔ شنید ہے کہ چند دن میں ان شاء اللہ مذاکرات کا دوسرا مرحلہ بھی شروع ہونے جارہا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ یہ عارضی جنگ بندی جلد مستقل جنگ بندی میں تبدیل ہوجائے گی۔

بعض مبصرین کے مطابق ایران کے خلاف مسلط کردہ اس جنگ کے پیچھے عالمِ اسلام کی واحد جوہری طاقت پاکستان کو گھیرنے اور اُسے نشانہ بنانے کے اسرائیلی عزائم اور منصوبے تھے؛ تاکہ اس کے بعد عرب دنیا خصوصاً سعودی عرب پر چڑھائی کرسکے اور اپنی پارلیمان میں لگے نقشے کے مطابق - لا سمح الله - مسلمانوں کے قلوب کے مرکز مدینہ طیبہ میں اپنے ناپاک قدم گھسا سکے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے عزائم کو ناکام کیا، اور ان شاء اللہ آئندہ بھی اُسے نامراد ہی رکھے گا، پاکستان نے ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ'' کے فرمانِ خداوندی پر عمل کرتے ہوئے برادر اسلامی ممالک کو اب تک ایک دوسرے کے خلاف جنگ سے روک رکھا ہے، اور دوسری طرف پاک سعودی دفاعی معاہدے کے تحت اپنے جنگی جہاز سعودی ائیر بیسز پر اُتار دیے ہیں، الحمدللہ! یہ اعزاز بھی اس پاک دھرتی کے حصے میں آیا کہ ہمارے فوجی جوان حرمین شریفین کی حفاظت کا مقدس فریضہ انجام دیں گے۔ یہ دنیاوی اعزاز کے ساتھ ساتھ اُخروی سرخروئی کا بھی باعث ہوگا، ان شاء اللہ!

سابق امریکی وزیرِ خارجہ ہیلری کلنٹن نے انکشاف کیا ہے کہ اسرائیلی صدر نے کئی امریکی صدور کو ایران پر حملے کے لیے اُکسایا تھا، مگر وہ اس سے گریز کرتے رہے، وہ ان ملاقاتوں میں خود موجود رہی ہیں، مگر موجودہ امریکی صدر اپنی افتادِ طبع کے باعث اس جھانسے میں آگئے اور وہ غلطی کر بیٹھے، جس کا خمیازہ اب خود امریکا کو بھی بھگتنا پڑ رہا ہے۔ امریکا نے اب تک کئی ملکوں کی حکومتوں کو انصاف اور انسانی حقوق کے نام پر اُجاڑا ہے۔

آج وقت ہے کہ امریکا کا محاسبہ کیا جائے اوراس سے ان جنگوں کا حساب لیا جائے ،جس میں کئی مظلوموں کواس نے اپنی ذاتی خواہش کی بھینٹ چڑھادیا،حتیٰ کہ اُمتِ مسلمہ کے لیے رمضان کے مقدس مہینے کا احترام نہ کیا، معصوم بچیوں کوموت کے گھاٹ اُتاردیا،جنگوں میں بچوں ،عورتوں ، بوڑھوں اور عبادت گاہوں کے احترام و حفاظت کا سبق ہر مذہب میں پڑھایا جاتا ہے،لیکن دہشت گردامریکا نے وہ ساری حدیں بھی پھلانگ دیں۔کیا انسانی حقوق کے اداروں اورانصاف کے علم برداروں کواس کا نوٹس نہیں لینا چاہیے؟

حالیہ جنگ بندی کے باوجوداسرائیل مسلم اکثریتی ملک لبنان پر وحشیانہ بمباری جاری رکھے ہوئے ہے،اس کے ساتھ ساتھ اسرائیلی جیلوں میں مظلوم فلسطینیوں کے خلاف صہیونی طاقتوں نے سزائے موت کا نیا بل منظور کرلیا ہے، اسرائیلی وزیر دندناتے ہوئے مسجد اقصیٰ کا تقدس پامال کرتا ہے اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ فلسطینیوں کے بدن سے بس ان کی روحوں کو الگ کرنا باقی ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ ایران امریکا جنگ بندی کے ساتھ ساتھ لبنان اور فلسطین پر اسرائیلی مظالم کی روک تھام کے لیے اپنا کردار ادا کرے، سننے میں تو یہ آیا ہے کہ پاکستان کے اربابِ اختیار نے اس سلسلے میں بھی سفارتی کوشش کی ہے، بہرحال موجودہ حالات میں جہاں پاکستان کی بہترین خارجہ پالیسی اوراعتماد سازی فریقین کو مذاکرات کی میز پر بٹھاسکتی ہے، وہاں دونوں فریقوں میں کچھ اپنی شرائط پر امن معاہدہ بھی ان شاءاللہ! کراسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کی عزت اورنام وَری میں مزید اضافہ فرمائے، ہماری سیاسی وعسکری قیادت کی ان کاوشوں کو مزید ثمر آوَر فرمائے اوراس کے مثبت نتائج پوری دنیا میں عام فرمائے ،اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو معاشی استحکام نصیب فرمائے ، داخلی و خارجی فتنوں اور آفات سے ہمارے ملک کی حفاظت فرمائے ،آمین بجاہ سید المرسلین !

وصلّی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیّدنا محمّد وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیبِ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

حضرت مولانا قاسم محمد سیما رحمۃ اللہ علیہ (۱) بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا قاسم محمد سیما رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

۲۶/اپریل ۱۹۴۵ء

بگرامی خدمت حضرت الاستاذ أطال الله بقاءهٗ وأدام علینا برکاته!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ موصول ہوا، احوالِ مکتوبہ سے واقف ہوا۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ کی بتائی ہوئی چیز نہ ملنے کا افسوس ہوا، خیر جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے وہی کافی اور شافی ہے، آپ کا ممنون اور متشکّر ہوں۔

طبیعت آپ حضرات کی دعاء خیر اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے رُوبصحت ہے، ایک پیٹنٹ پاؤڈر سے بہت فائدہ ہوا، اس کا استعمال اب تک جاری ہے، اُمید ہے کہ حضرت والا شفاءِ کلی کے لیے دعا فرمائیں گے۔ گرمی اور بارش کا زمانہ ختم ہورہا ہے، سردی آہستہ آہستہ آرہی ہے، اِمسال بارش کے وقت پر نہ ہونے کی وجہ سے پیداوار میں کچھ کمی ہے، مگر پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ یہ ملک بنسبت اور ممالک کے آسودہ حال ہے۔

مولوی قاسم طیب صاحب کے خط سے مولانا احمد رضا صاحب مدظلہ کی اہلیہ کے انتقال کی دردناک خبر معلوم ہوئی، خدائے تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے، اور مولانا کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین!

یورپ کی لڑائی قریبُ الختم ہے، کل سے سان فرانسسکو کانفرنس (۲) بھی شروع ہوگئی ہے، دیکھیے! کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟ چرچل (۳) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امسال پیسیفک کی جنگ بھی ختم

ہوجائے گی۔

''وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ '' سے حکومتِ نصاریٰ کا قیام قربِ قیامت تک معلوم ہوتا ہے، ''اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ '' کے قرینہ سے فوقیتِ دنیوی ہی مراد ہے، کیا بادشاہت کے علاوہ اور بھی فوقیت دنیویہ کی ہوسکتی ہے؟ ''الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ '' میں مسلمان بھی یقیناً شامل ہیں، اس لیے کہ حقیقی معنی میں متبعین یہی ہیں، پھر یہ ذلت وخواری کیوں ہے؟ خصوصاً جبکہ ''اِلٰی الخ'' کے لفظ سے دوامِ فوقیت ثابت ہورہا ہے۔ اُمید ہے کہ حضرت والا جواب سے مطمئن فرمائیں گے۔ بوقتِ تلاوت اس آیت پرغور کرنے سے یہ شبہات پیدا ہوئے، اس لیے حضرت والا سے درخواست ہے کہ جواب سے نوازش فرمائیں گے۔ (۴)

اس وقت ایک ضرورت پیش آئی ہے، وہ یہ ہے کہ ''نوجوت'' (جو مجوسیوں کی کوئی رسم ہے) کی حقیقت معلوم کی جائے کہ یہ کیا ہے؟ اور ''رسمِ نوجوت''(۵) میں شرکتِ مسلمین جائز ہے یا نہیں؟(۶)

دوسرا مسئلہ بلیک مارکیٹ کا ہے، اس سے آپ خوب واقف ہوں گے، اس لیے کہ یہ ہندوستان میں بھی رائج ہے، کیا یہ شرعی نقطہ نگاہ سے جائز ہے؟ اُمید ہے کہ حضرت والا تکلیف معاف فرماکر ان کے جوابات سے بندہ کو تشفی بخشیں گے۔ (۷)

مولانا حبیب اللہ صاحب کا نہایت تہہ دل سے متشکّر ہوں کہ انہوں نے میرے شکستہ اشعار کی اصلاح فرمادی، جزاھم اللہ خیرا.

مولوی میاں صاحب (۸) کا ہاسٹل ترقی پر ہے، انہوں نے ''لورنسو مارکس'' میں ایک فارم ایک سو چالیس ہزار پونڈ میں خریدا تھا، پہلے ہی سال اس کی پیداوار ایک سو چالیس ہزار پونڈ کی ہوئی، یہ تمام پیسے بلکہ اس فارم کی جمیع آمدنی ہاسٹل میں صرف کی جائے گی۔ ان کا ارادہ ہے کہ عمارتِ موجودہ کی مثل تین اور عالی شان عمارتیں بنائی جائیں، اور تعلیمِ بنات المسلمین کے لیے خصوصی انتظام کیا جائے۔ گو تعلیمِ نسواں کا انتظام فی الحال بھی ہے، مگر چھوٹے پیمانے پر۔ مولوی میاں صاحب لا وارث، یتیم اور نادار لڑکیوں کی تمام ذمہ داریاں خود برداشت کرتے ہیں، لڑکی کے جوان ہونے کے بعد مناسب مکان میں اس کا عقد بھی کرادیتے ہیں۔ ان شاء اللہ رفتہ رفتہ یہ مدرسہ بہت ترقی کرے گا، عربی تعلیم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک بچے اس درجہ کو پہنچے نہیں ہیں، اس لیے کہ مولوی میاں صاحب چھوٹے بچوں ہی کو اپنے مدرسہ میں داخل کرتے ہیں، تاکہ وہ ایک مدت تک وہاں رہ کر اس ماحول کے اثرات کو قبول کریں، صرف اتنا افسوس ہے کہ وہ اساتذہ نہیں ہیں جو ان بچوں میں وہ رنگ چڑھادیں جو مدارسِ اسلامیہ میں اساتذہ کرام اپنے شاگردوں میں چڑھادیتے ہیں۔ خدا کرے کہ علماء کی ایک ایسی جماعت کا یہاں ایک مجمع ہوجائے، (شاید مشکل ہے)۔

تمام واقفین کو سلام عرض ہے، خصوصاً مہتمم صاحب، ان کے صاحب زادے، حاجی ابراہیم میاں صاحب، مولوی حبیب اللہ صاحب، مولوی عبدالشافی صاحب، بھائی پٹیل صاحب، بایزید، مولوی احمد نانا صاحب، مولوی قاسم طیب صاحب، مولوی قاسم بھیات ودیگر اساتذہ کرام۔ فقط والسلام

آپ کا شاگرد قاسم محمد سیما

حواشی

۱-مولانا قاسم محمد سیما رحمۃ اللہ علیہ (نیوکاسل، جنوبی افریقہ) کے باسی، جامعہ تعلیم الدین (ڈابھیل) کے فاضل اور والد ماجد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے، ''مجلس علمی'' (ڈابھیل) سے بحیثیت محقق متعلق رہے، اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ اِشراف علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کی ''آثار السنن'' پر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی ''الإتحاف لمذهب الأحناف'' کے ایک جزء پر کام کیا۔ ۱۹۴۴ء میں اپنے جنوبی افریقہ چلے گئے، ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم نیوکاسل کی بنیاد ڈالی، اس کے علاوہ بھی مساجد ومدارس میں ان کا کردار رہا۔ زندگی بھر مختلف علمی، اصلاحی، تبلیغی اور سماجی کاموں میں مشغول رہے۔ ۹؍جون ۲۰۰۷ء کو راہیِ سفرِ آخرت ہوئے۔

۲-سان فرانسسکو (San Francisco) امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا (California) کا شہر ہے، اور تجارتی وثقافتی لحاظ سے شمالی کیلی فورنیا کا اہم مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوامِ متحدہ کے نام سے ایک بین الاقوامی تنظیم قائم کی گئی، اور اقوام متحدہ کا چارٹر مرتب کرنے کے لیے ۲۵؍اپریل ۱۹۴۵ء کو سان فرانسسکو میں ایک بین الاقوامی کانفرنس ہوئی، اور اس کانفرنس کے دوران بحث کے بعد چارٹر کا مسودہ تیار کیا گیا، بعدازاں اس چارٹر کے ہر حصہ کی دوتہائی منظوری کے بعد، حتمی متن کو مندوبین نے متفقہ طور پر منظور کیا اور ۲۶؍جون ۱۹۴۵ء کو دستخط کے لیے پیش کردیا گیا، اور اس پر ۵۱؍رکن ممالک میں سے ۵۰؍ملکوں کے نمائندوں نے سان فرانسسکو میں دستخط کیے تھے۔

۳-ونسٹن چرچل، ایک معروف برطانوی سیاست دان۔

۴-حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

''چوتھا وعدہ: ''وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ'' میں ہے کہ آپ کے متبعین کو آپ کے منکروں پر قیامت تک غالب رکھا جائے گا، یہ وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ یہاں ''اتباع'' سے خاص اتباع مراد ہے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد اور اقرار مراد ہے، ان کے سب احکام پر ایمان واعتقاد کی شرط نہیں، تو اس طرح نصاریٰ اور اہلِ اسلام دونوں اس میں داخل ہوگئے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کے معتقد ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ صرف اتنا اعتقاد نجاتِ آخرت کے لیے کافی نہیں، بلکہ نجاتِ آخرت اس پر موقوف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تمام احکام پر اعتقاد وایمان رکھے، اور عیسیٰ علیہ السلام کے قطعی اور ضروری احکام میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کے بعد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائیں، نصاریٰ نے اس پر اعتقاد وایمان اختیار نہ کیا، اس لیے نجاتِ آخرت سے محروم رہے، مسلمانوں نے اس پر بھی عمل کیا، اس لیے نجاتِ آخرت کے مستحق ہوگئے، اور ''منکرین'' سے مراد یہود ہیں، جو عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے، پس حاصل آیت کا یہ ہوا کہ امتِ محمدیہ اور نصاریٰ ہمیشہ یہود پر حاکم اور غالب رہیں گے، چنانچہ جلدی یہ وعدہ پورا ہوا، یہود ذلیل وخوار ہوئے اور ان کی سلطنت برباد ہوئی، غرض دنیا میں یہودیوں پر غالب رہنے کا وعدہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر موقوف تھا۔ وہ دنیا کا غلبہ نصاریٰ اور مسلمانوں کو بمقابلہ یہود ہمیشہ حاصل رہا اور یقیناً قیامت تک رہے گا۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا اس وقت سے آج تک ہمیشہ مشاہدہ یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ یہود کے مقابلہ میں ہمیشہ نصاریٰ اور مسلمان غالب رہے، انہیں کی حکومتیں دنیا میں قائم ہوئیں اور رہیں۔ آج تک جہاں کہیں یہود ہیں یا تو نصاریٰ کی رعایا ہیں یا اہلِ اسلام کی اور قیامت کے قریب تک ایسے ہی رہے گا، صرف چالیس دن کے لیے دجال کا جو کہ یہود کا سرگروہ ہے ایک گونہ شروفساد پھیلے گا، لیکن اول تو وہ فوراً مٹ جائے گا، پھر کوئی باضابطہ امن واطمینان سے حکومت نہ ہوگی، اور محض ایسی عارضی شورش کو سلطنت نہیں کہہ سکتے، اسی طرح بعض نے جو مؤرخ مسعودی سے بعض عباسیوں کے زمانہ میں یہود کی کچھ چھوٹی چھوٹی حکومتیں نقل کی ہیں وہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی سلطنتوں کے مقابلہ میں اس قابل نہیں کہ اس کو ان دونوں کے برابر یا ان پر غلبہ کہا جا سکے، بلکہ اس حالت میں بھی ان دونوں کو غالب اور یہود کو مغلوب ہی کہا جائے گا جس کا اس آیت میں وعدہ کیا گیا ہے۔'' (آسان بیان القرآن، تسہیل و ترتیب: از مولانا عمر انور بدخشانی، ص: ۱۶۸-۱۶۹)

مذکورہ آیت کے تناظر میں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہود کی موجودہ حکومت سے اس آیت میں درج وعدہ پر اشکال علمی اعتبار سے درست نہ ہوگا؛ کیونکہ ان کی یہ غاصبانہ ریاست دیگر عالمی قوتوں کے سہارے کھڑی ہے، اور ان کی تائید اور مدد کے بغیر ایک دن کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر اس کو ان کی اپنی حکومت مان بھی لیا جائے تب بھی نصاریٰ اور اہلِ اسلام کے مجموعہ کے مقابلہ میں ان کے مغلوب ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز قربِ قیامت میں یہود کے چندروزہ غلبہ کا ذکر تو روایات میں بھی ملتا ہے، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ایسی چندروزہ ریاست کو شورش تو کہا جا سکتا ہے، حکومت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ واللہ اعلم

۵- نوجوت (Navjote) زرتشت (مجوسی یا پارسی) مذہب کی ایک اہم ترین مذہبی رسم ہے، جو بچے یا بچی کے مذہبِ زرتشت میں باضابطہ داخلے یا بلوغت کی علامت ہوتی ہے۔

۶- چونکہ نوجوت، مجوسیوں کی ایک مذہبی اور غیر شرعی رسم ہے، مسلمانوں کے لیے اس میں شرکت جائز نہیں۔

۷- بلیک مارکیٹ یعنی غیر قانونی خرید وفروخت کے متعلق اصولی طور پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ:

''حکومت کے ایسے قوانین جو ملک کے جائز انتظامی قوانین کا حصہ ہیں جو عوام کی فلاح وبہبود پر مبنی ہیں، اور امورِ مباحہ میں سے ہیں تو ایسے قوانین میں رعایا کو شریعت نے تاکید کے ساتھ پابندی کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ کسی بھی ریاست میں رہنے والا شخص اس ریاست میں رائج قوانین پر عمل درآمد کا (خاموش) معاہدہ کرتا ہے، اور جائز امور میں معاہدہ کرنے کے بعد اسے پورا کرنا چاہیے؛ اس طرح کے جائز امور سے متعلق قانون کی خلاف ورزی گویا معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، اور معاہدے کی خلاف ورزی سے شریعت نے منع کیا ہے۔ نیز قانون شکنی کی صورت میں مال اور عزت کا خطرہ رہتا ہے، اور پکڑے جانے کی صورت میں مالی نقصان کے ساتھ ساتھ سزا ملنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، اور اپنے آپ کو ذلت کے مواقع سے بچانا شرعاً ضروری ہے۔'' (دیکھیے: دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے جاری شدہ فتویٰ نمبر: ۱۴۴۱۰۴۲۰۰۶۲۵)

۸- بظاہر مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، جو علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے اور والد ماجد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خاص تعلق رکھتے تھے، مجلسِ علمی (ڈابھیل، افریقہ، کراچی) کے سرکردہ حضرات میں سے تھے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے نام ان کے مکاتیب ماہنامہ ''بینات'' میں قسط وار شائع ہو چکے ہیں۔

حسنِ معاشرت!

ادارہ

انسان جہاں رہتا ہے اس کے ساتھ اس کے گھر، محلے، گاؤں اور شہر میں مختلف لوگ رہتے ہیں، یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اور دُکھ سُکھ میں شریک ہوتے ہیں، لوگوں کے اس طرح مل جل کر رہنے کو معاشرہ کہا جاتا ہے۔

معاشرت کے آداب اور ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہے، آپس میں رہنے اور باہمی برتاؤ کے طریقے اسلام نے سکھائے ہیں، جن پر عمل پیرا ہونا حسنِ معاشرت کہلائے گا۔ اولاد کا رویّہ ماں باپ کے ساتھ کیسا ہو اور ماں باپ کا برتاؤ اولاد کے ساتھ کس طرح کا ہو، ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ کس طرح پیش آئے، بہنوں کے ساتھ کس طرح سلوک کیا جائے، میاں بیوی باہم کس طرح زندگی گزاریں، چھوٹے اپنے بڑوں کے سامنے کس طرح رہیں اور بڑے چھوٹوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں، پڑوسیوں کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہو، امیر لوگ غریبوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کریں اور غریب امیروں کے ساتھ کیسا رویہ رکھیں، آقا کا برتاؤ ملازم کے ساتھ اور ملازم کا تعلق آقا کے ساتھ کیسا ہو! الغرض اس دنیوی زندگی میں مختلف طبقوں کے جن چھوٹے بڑے لوگوں سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے ان کے ساتھ برتاؤ اور رہن سہن کے بارے میں اسلام نے ہمیں نہایت مکمل اور روشن ہدایات دی ہیں۔ اسلام کا یہ معاشرتی نظام اپنے حسن وخوبی اور کمال کی بنا پر تمام نظاموں سے افضل اور ممتاز ہے۔

والدین

اسلام نے اللہ کے بعد سب سے بڑا حق ماں باپ ہی کا بتلایا ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

’’وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا‘‘ (بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ: ''اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔''

شریعت کی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے والدین کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ان کی مرضی اور مزاج کے خلاف کبھی کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جو اُن کو ناگوار گزرے، خصوصاً بڑھاپے میں ان کی ہر بات خوشی خوشی برداشت کی جائے، اور ان کی کسی بات سے اُکتا کر جواب میں کوئی ایسا کلمہ ہرگز نہ کہا جائے جس سے اُن کو تکلیف پہنچے۔ قرآن کریم میں حکم خداوندی ہے:

''اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا'' (بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴)

ترجمہ: ''اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں سو ان کو کبھی (ہاں) ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمایئے، جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا۔''

احادیثِ مبارکہ میں ماں باپ کی خدمت اور اطاعت کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے اور ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی کو سخت گناہ بتلایا گیا ہے:

''حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ ارشاد فرمایا: اولاد کی جنت اور دوزخ ماں باپ ہیں (یعنی ان کی خدمت سے جنت مل سکتی ہے اور ان کی نافرمانی اور بدسلوکی دوزخ میں لے جانے والی ہے)۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''باپ کی رضامندی میں اللہ کی رضامندی ہے اور اس کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔''

(سنن الترمذي، أبواب البر والصلة)

اولاد

اسلام نے جس طرح اولاد پر والدین کے حقوق مقرر کیے ہیں، اسی طرح والدین پر بھی اولاد کے حقوق رکھے ہیں، جیسا کہ ان کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا انتظام والدین کرتے ہیں، اسی طرح اولاد کی

دینی واخلاقی تربیت بھی والدین کی ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ نے والدین کو حکم دیا ہے کہ اپنی اولاد اور اہل و عیال کی تربیت ونگرانی اس طرح کریں کہ مرنے کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم نہ بنے بلکہ جنت بنے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَہْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُہَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ'' (التحریم:٦)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں۔''

اولاد کی اچھی تربیت کی فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

''باپ کی طرف سے اولاد کے لیے اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں کہ وہ ان کی اچھی تربیت کرے۔'' (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة)

بچوں کے سامنے ہمیشہ اچھا عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے، بڑوں اور خصوصاً والدین کی زندگی بچوں لیے ایک خاموش معلم کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ بچوں کے سامنے جو کیا جائے اور کہا جائے وہ اس کی نقل کریں گے۔ اسی سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور نصیحت ملاحظہ کیجئے:

''حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے یہ کہہ کر بلایا کہ یہاں آجاؤ! میں تمہیں کچھ (چیز) دوں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر پوچھا: تم بچے کو کیا دینا چاہتی ہو؟ والدہ بولی: کھجور، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم دینے کا بہانہ کر کے بلاتیں اور کچھ نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں یہ جھوٹ لکھ دیا جاتا۔''

(سنن أبي داود، رقم: ٤٣٣٩)

بچوں کے عقائد، اعمال اور اخلاق وکردار کی درستی کی فکر والدین کے ذمے ہے، اس سلسلے میں حضرت لقمان علیہ السلام کی وہ نصیحتیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائیں، رہنما اصول ہیں، جن کی تفصیل سورۂ لقمان آیت ۱۲ تا آیت ۱۹ میں مذکور ہے۔

بعض لوگوں کو اپنی اولاد میں لڑکیوں کی بہ نسبت لڑکوں سے زیادہ محبت اور شفقت ہوتی ہے اور بعض لڑکیوں کو بوجھ سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی تعلیم وتربیت میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اسلام میں لڑکیوں کی اچھی تربیت کی فضیلت کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے بیان کیا گیا ہے، تاکہ ان کے حقوق میں کوتاہی نہ کی جائے اور بیٹوں کی طرح ان کا بھی خوب خیال رکھا جائے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''جس شخص کی بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، ان کی اچھی تربیت

کرے، (مناسب جگہ) ان کی شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت دے گا۔‘‘

(سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في فضل من عال يتامى)

اس لیے بچیوں کی تربیت و پرورش انتہائی خوش دلی اور دینی احساس کے ساتھ کرنی چاہیے۔

بچوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی عملی تربیت اور کردار سازی انتہائی اہم اور ضروری ہے، جس کے اہتمام کا والدین کو تاکیدی حکم فرمادیا گیا ہے۔

دوست

وہ شخص انتہائی خوش نصیب ہے جس سے دوست محبت کریں اور وہ دوستوں کو عزیز رکھے اور وہ شخص انتہائی محروم ہے جس سے لوگ بیزار رہتے ہوں اور وہ ان سے بھاگتا پھرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’مومن سراپا اُلفت ومحبت ہے اور اس آدمی میں کوئی خیر نہیں جو نہ دوسروں سے محبت کرے اور نہ دوسرے اس سے محبت کریں۔‘‘ (مسند أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرةؓ، رقم: ۹۱۹۸)

ہمیشہ نیک وصالح لوگوں سے دوستی کریں، بروں کی دوستی کا برا اثر ہوگا:

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک دوست کو مشک بیچنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جس سے کم از کم خوشبو کا فائدہ تو حاصل ہوگا اور برے دوست کو بھٹی والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے پاس بیٹھنے والا آگ سے بچ بھی جائے تو اس کے دھویں سے نہیں بچ سکے گا۔

دوستوں سے محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہو، یہی دوستی پائیدار ہوتی ہے، خودغرضی والی دوستی کا دھاگا نہایت جلدی ٹوٹ جاتا ہے:

خدا کے واسطے جو ہو محبت — اسے ہر حال میں بے شک بقا ہے
سوا اس کے جو ہے اُلفت جہاں میں — وہ خود غرضی کے شعلوں سے فنا ہے

خدا کے محبوب بندے وہی ہیں جو اس کے دین کی بنیاد پر جڑتے ہیں، مسلم شریف کی حدیث ہے:

’’قیامت کے دن اللہ فرمائے گا: وہ لوگ کہاں ہیں جو صرف میرے لیے لوگوں سے محبت کرتے تھے! آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔‘‘ (صحيح مسلم، رقم:٢٥٦٦)

دوستوں سے وفاداری، ان کی خیر خواہی، خبر گیری، راز داری، ان کے دکھ درد میں شریک ہونا اور

اُن کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے، ان کو اپنے ساتھ مخلصانہ دعاؤں میں شریک کرنا بھی ان کا حق ہے، جس کے لیے اس قرآنی دعا کا اہتمام نہایت مناسب ہے:

''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ''

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجیے۔ اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔'' (بیان القرآن)

میاں، بیوی

پاکیزہ معاشرے یا عمارت کی بنیاد خاندانی نظام کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور کامیاب بنانے پر قائم ہوتی ہے، جس کا آغاز میاں بیوی کے پاکیزہ ازدواجی تعلق سے ہوتا ہے، اس تعلق کی استواری اور خوشگواری اس وقت ممکن ہے جب شوہر اور بیوی اسلامی ہدایات وتعلیمات کے مطابق اپنے فرائض، اور ایک دوسرے کے حقوق سے بخوبی واقف ہوں اور ان کو بجالانے کے لیے خلوص کے ساتھ سرگرمِ عمل بھی ہوں، یہ فرائض وحقوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ملاحظہ ہوں:

''جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو وہ جنت میں جائے گی۔'' (ترمذی)

''قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! کوئی عورت اللہ کا حق اس وقت تک ادا نہیں کرسکتی جب تک کہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔'' (سنن ابن ماجة، كتاب النكاح)

''کسی انسان کے لیے دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز نہیں، اگر جائز ہوتا تو بیوی کو حکم دیا جاتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔'' (مسند احمد)

''تم میں اچھے وہ ہیں جو اپنے گھر والوں (بیوی) کے حق میں اچھے ہوں۔''

(سنن الترمذي، رقم: ٣٨٩٥)

''مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں اور جن کا برتاؤ اپنے گھر والوں کے ساتھ لطف ورغبت کا ہو۔'' (ترمذی)

''میں تم کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی خاص طور پر وصیت کرتا ہوں، تم میری اس وصیت کو یاد رکھنا، دیکھو! وہ تمہاری ماتحت اور دست نگر ہیں۔''

(سنن الترمذي، كتاب الرضاع، باب ماجاء في حق المرءة على زوجها، رقم:١١٦٣)

رشتہ دار

آدمی کا ایک خاص تعلق اپنے عام رشتہ داروں سے بھی ہوتا ہے، اسلام نے اس تعلق کا بھی بہت لحاظ رکھا ہے اور اس کے اعتبار سے باہمی حقوق مقرر کیے ہیں، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کو صلہ رحمی اور نہ ادا کرنے کو قطع رحمی کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں جابجا ذوی القربیٰ (رشتہ داروں) کے ساتھ اچھے سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے، اسلام نے صلہ رحمی پر بڑا زور دیا ہے اور اس شخص کو بڑا مجرم بتایا گیا ہے جو رشتہ داروں کے حقوق پامال کرے، حضور ﷺ نے فرمایا:

’’قرابت کے حق کو پامال کرنے والا اور اپنے برتاؤ میں رشتہ داری کا لحاظ نہ رکھنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔‘‘ (صحيح البخاري، كتاب الأدب، رقم:٥٩٨٤)

بخاری شریف کی حدیث کا مفہوم ہے کہ: صلہ رحمی وہ نہیں جو بدلے میں ہو، بلکہ صلہ رحمی اس کے ساتھ بھی کی جائے جو صلہ رحمی نہ کرے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

’’صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ إِلٰى مَنْ اَسَاءَ إِلَيْكَ.‘‘

(مسند أحمد بن حنبل، رقم:١٧٤٥٢)

ترجمہ: ’’جو تجھ سے (تعلق) توڑے تم اس سے جوڑو، جو تجھ پر ظلم کرے تم اسے معاف کردو اور جو تم سے برائی سے پیش آئے تم اس کے ساتھ اچھائی کرو۔‘‘

پڑوسی

انسان کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ مستقل واسطہ پڑتا ہے، اسلام نے اس تعلق کو بھی بڑی اہمیت دی ہے اور اس بارے میں مفصل ہدایات دی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں شرک جیسے عظیم گناہ سے منع فرمایا، وہاں والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی ذکر کیا، وہیں پر اللہ نے پڑوسی کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

’’وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ‘‘ (النساء:٣٦)

ترجمہ: ’’اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی (اچھا معاملہ کرو) اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہگیر کے ساتھ بھی۔‘‘

اس آیت میں پڑوسی کے حقوق ادا کرنے کے حکم کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح کی گئی کہ پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں:

ایک: وہ جو پڑوسی بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو، دوسرا: وہ جس سے رشتہ داری نہ ہو صرف پڑوس کا تعلق ہو، تیسرا: وہ جو نہ رشتہ دار ہو اور نہ مستقل پڑوسی بلکہ کچھ وقت کے لیے ساتھ رہتا ہو جیسے ہم سفر، اسکول و مدرسہ کا ساتھی، دکان پر ساتھ بیٹھنے والا اور کام کاج میں شریک، وغیرہ۔

احادیث مبارکہ میں بھی پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی بہت تاکید آئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

''مجھے جبرئیل امین علیہ السلام پڑوسی کے حقوق سے متعلق تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ اس کو میراث میں حصہ دار بنا دیں گے۔'' (صحيح البخاري، رقم: ١٦١٤)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

''جب تم سالن پکاؤ تو اس میں شوربا بڑھا دو اور پڑوسیوں کا لحاظ رکھو۔''

(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، رقم: ٢٦٢٥)

پڑسیوں سے حسنِ سلوک ایمان کا تقاضا ہے، حضور ﷺ نے پڑوسی کے حقوق ادا نہ کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ:

''بخدا وہ مومن نہیں، بخدا وہ مومن نہیں، بخدا وہ مومن نہیں، عرض کیا گیا کہ: کون مومن نہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ مؤمن نہیں جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔''

(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، رقم: ٢٦٢٥)

اسلام میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ پڑوسیوں کو تکلیف نہ دی جائے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، مگر آج لوگ ان احکام سے غافل ہیں، معمولی معمولی باتوں پر پڑوسیوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں اور بعض لوگ تو پڑوسیوں کو جانتے تک نہیں، حالانکہ مسلمان ہونے کے ناطے اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے کی خاطر ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بہترین اخلاق سے پیش آئیں اور ان کو ہماری طرف سے کوئی ایذا نہ پہنچے، ورنہ تو پھر قیامت کے دن ہم ان وعیدوں اور رسوائیوں کے مستحق ہوں گے جو احادیث مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں۔

واضح رہے کہ پڑوسی خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسلام نے سب کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

مہمان

شریعت نے مہمان کی مہمان نوازی کو اس کا حق ٹھہرایا ہے اور اس کے اکرام کو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

’’مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ .‘‘(صحيح البخاري، رقم: ٦١٣٨)

ترجمہ: ’’جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔‘‘

خادم و ماتحت

معاشرہ میں بسنے والے افراد اپنی صلاحیتوں، مال و دولت اور ضرورتوں کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے، کسی کو اللہ تعالیٰ نے کام کرنے کی جسمانی صلاحیت دی تو کسی کو مال دیا ہے، جس طرح مالک اور اس کا مال مزدور کی ضرورت ہے، اسی طرح مزدور و خادم اور اس کی محنت و خدمت مالک کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے خادموں اور ماتحتوں کے ساتھ بھلائی کی یوں تاکید فرمائی کہ:

’’وہ تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر رکھا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جس کے بھائی کو اس کا ماتحت بنادے اس کا فرض ہے کہ جو خود کھائے اس کو بھی وہی کھلائے اور جو خود پہنے اس کو بھی وہی پہنائے اور اس کے ذمہ ایسا کام نہ لگائے جو وہ نہ کر سکے۔‘‘

(صحيح البخاري، كتاب الإيمان وكتاب العتق، رقم: ٢٥٤٥)

فقیر و محتاج

یقیناً معاشرہ میں ایک ایسا طبقہ بھی ہوتا ہے جسے مال یا تندرستی میسر نہیں ہوتی اور ان دونوں نعمتوں سے محروم ہوتا ہے، تاہم وہ بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہے، اس کی ضروریات بھی دوسروں کی ضروریات کی طرح قابلِ توجہ ہیں، اس طبقہ میں فقراء و مساکین، اپاہج و محتاج، بیوائیں اور یتیم بچے بچیاں سب شامل ہیں، قرآن و حدیث میں ان کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ ہمدردی و تعاون کی خوب تاکید کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: بیواؤں اور مساکین کی مدد کرنے والا (ثواب کے اعتبار سے) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، اللہ کے حضور نماز میں کھڑے ہونے والے اور مسلسل روزے رکھنے والے کی طرح ہے۔

(صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقاق، باب الإحسان إلى الأرملة والمسكين واليتيم، رقم: ٢٩٨٢)

رشتۂ اسلام

مسلمان ہونے کے ناطے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر متعدد حقوق ہیں، جن کی نشاندہی قرآن وحدیث میں جگہ جگہ کی گئی ہے، آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو: ''كُوْنُوْا عِبَادَ اللهِ اِخْوَانًا '' (صحیح مسلم، رقم: ٦٥٣٠) کا حکم بھائی چارگی کے رشتہ میں جوڑ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ اس سے کنارہ کش ہو اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کی تکمیل کے لیے کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت سے نجات دے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔'' (صحيح البخاري، رقم: ٢٤٤٢)

رشتۂ انسانیت

اسلام نے عام انسانی برادری کے ساتھ بھی رحم وکرم اور رواداری کی تعلیم دی ہے اور رحمت وشفقت کا دائرہ پورے عالم انسانیت تک وسیع کر دیا ہے، ساری مخلوق کو اللہ کا کنبہ کہا ہے اور ان کے ساتھ نیکی، بھلائی کا حکم دیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔'' (مشكاة المصابيح، رواه البيهقي في شعب الإيمان، كتاب الآداب)

نیز فرمایا: ''تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

(سنن الترمذي، كتاب البر والصلة على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم: ١٩٢٤)

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اسلام کی ہر موقع پر یہ تعلیم ہے کہ انسانوں میں باہمی اُخوت ومحبت اور تعاون وہمدردی کا جذبہ کارفرما ہو، تاکہ صلح وسلامتی کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور حسن معاشرت کی اعلیٰ مثال قائم کر سکیں۔

(ماخوذ از تعلیم وتربیت کورس، حصہ سینئر)

تفسیرِ قرآن میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی تلامذہ

مولانا ڈاکٹر فہد انوار
اسلام آباد

ترجمان القرآن، بحر العلم حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دینی علوم کی تمام شاخوں میں کمال عطا کیا گیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فہمِ دین اور علمِ تفسیرِ قرآن کی دعا سے نوازا تھا۔ اس کا اثر تھا کہ تفسیرِ قرآن آپ کا خصوصی میدان تھا۔ آپ کے شاگردوں میں تابعین کی ایک بڑی جماعت ہے، ان میں سے بعض تلامذہ کو تفسیرِ قرآن کے حوالے سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی، اس طبقہ کو ''أعلم الناس بالتفسیر'' (تفسیرِ قرآن سب سے زیادہ جاننے والا) کا شرف حاصل ہے۔ تابعینِ کرام کے اس طبقے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی اصحاب مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ، طاؤس اور عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔ ان کے حالات ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

مجاہد بن جبر رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام مجاہد بن جبر مکی ہے۔ سائب بن ابی سائب مخزومی کے غلام تھے۔ ایک مدت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صحبت کو لازم پکڑا اور تفسیر سیکھی۔ آپ فرماتے ہیں: ''میں نے فاتحہ سے لے کر آخر تک قرآن تین بار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر پیش کیا۔ میں ہر آیت کے پاس رکتا' اور اس کے متعلق سوال کرتا کہ یہ کس بارے میں نازل ہوئی؟ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے تفسیر سیکھی، وہ فرماتے ہیں کہ: ''مجاہد اس وقت میں موجود لوگوں میں تفسیر کے علم میں سب سے بڑھ کر ہیں۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی رضی اللہ عنہ کبھی آپ کی سواری کی رکاب پکڑ لیتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ص:۷۱)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے: ''چار لوگوں سے تفسیر سیکھو۔'' ان میں مجاہدؒ کو بھی شمار فرمایا۔ خصیفؒ فرماتے ہیں: ''ان میں زیادہ عالم مجاہد ہیں۔'' امام اعمشؒ فرماتے کہ: ''حضرت مجاہدؒ دیکھنے میں سامان

اُٹھانے والے عام آدمی دِکھتے، لیکن جب وہ بولتے تو گویا ان کے منہ سے موتی نکل رہے ہوتے۔'' قتادہؒ فرماتے کہ: ''حلال وحرام جاننے والوں میں جولوگ باقی رہ گئے ان میں سب سے بڑھے ہوئے زہریؒ اور تفسیرِ قرآن کے جاننے والوں میں سب سے بڑھ کر حضرت مجاہدؒ ہیں۔'' (سیر أعلام النبلاء، ج:۴، ص:۴۴۹)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری اقوال پر مشتمل ایک کتاب ''تفسیر مجاہد'' کے نام سے دستیاب ہے جو اولاً ۱۳۹۶ھ میں شیخ طاہر سورتی اور ثانیاً ۱۴۱۰ھ میں دکتور محمد عبدالسلام ابوالنیل کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔ محقق لکھتے ہیں کہ اس کتاب کی نسبت حضرت مجاہدؒ کی طرف کرنے میں کوئی شک نہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر اقوال حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، تاہم دیگر صحابہ حضرت عائشہؓ، ابوہریرہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ

کبارِ تابعین میں سے ہیں۔ اہلِ کوفہ حج کے موقع پر ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مسائل دریافت کرتے تو آپ فرماتے: ''کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں؟ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور سے مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عدی بن حاتم، عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما سے علم حاصل کیا اور آپ سے بھی کثیر خلق نے استفادہ کیا۔ حجاج بن یوسف نے اپنے خلاف بغاوت کی پاداش میں شہید کروادیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ستاون برس تھی۔ میمون بن مہرانؒ کہتے ہیں کہ: ''سعید بن جبیرؒ ایسے وقت میں شہید ہوئے کہ تمام اہلِ زمین ان کے علم کے محتاج تھے۔'' آپ کو ''جهبذ العلماء'' کہا جاتا تھا۔ (تذکرة الحفاظ للذهبي، ص:۶۱)

عکرمہ مولیٰ ابنِ عباس رحمۃ اللہ علیہ

''عكرمة الحبر العالم أبو عبد الله البربري ثم المدني الهاشمي مولى ابن عباسؓ'' یہ عکرمہ مولی ابن عباسؓ کے نام سے مشہور ہیں، بربری غلام تھے، حسین بن ابی الحر عنبری نے انہیں حضرت ابن عباسؓ کو بطور ہدیہ پیش کیا۔ عکرمہ نے اپنے مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر حضرات سے بھی روایات نقل کی ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ۲۶۳/ ۷، دار المعارف النظامية، الهند)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اُن کی تعلیم کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ عکرمہ خود بیان کرتے ہیں کہ: ''ابن عباسؓ میرے دونوں پیروں پر بیڑیاں لگادیتے تھے اور مجھے قرآن وسنت کی تعلیم دیتے تھے۔'' اس محنت وجانفشانی کا اثر تھا کہ اپنے وقت کے مثالی مفسر بن گئے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''کتاب اللہ کو عکرمہ

سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہ رہا۔'' (مناهل العرفان للزرقاني، ص: ۲۰، ج: ۲، مطبع: عيسىٰ بابي الحلبي)

قتادہؒ فرماتے ہیں: ''عکرمہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔'' سلام بن مسکینؒ فرماتے ہیں: ''عکرمہ تفسیر قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔'' عباس بن مصعب مروزیؒ کا بیان ہے: ''عکرمہ ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلاموں میں اور آپ کے شاگردوں میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔'' شعبیؒ کہتے ہیں: ''عکرمہ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا جاننے والا کوئی باقی نہ رہا۔'' سفیان ثوریؒ کا قول ہے: ''چار لوگوں سے تفسیر سیکھو۔'' ان چاروں میں عکرمہ کو آپ نے سب سے پہلے شمار کرایا۔ ابن حبانؒ کا بیان ہے: ''عکرمہ اپنے زمانے میں فقہ اور قرآن کے بڑے علماء میں سے تھے۔'' (هدي الساري مقدمة فتح الباري: ۴۲۹/ ۱، دار المعرفة، بيروت)

حبیبؒ بن ابی ثابت کہتے ہیں: ''میرے پاس پانچ حضرات جمع ہوئے: طاؤس، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء، ان میں سے مجاہد اور سعید بن جبیر آگے بڑھ کر عکرمہ سے آیات کی تفسیر سے متعلق مسائل پوچھنے لگے؛ چنانچہ وہ دونوں جس آیت کی بھی تفسیر ان سے دریافت کرتے تھے، وہ ان کے سامنے اس کی تفسیر بیان کردیتے تھے؛ حتیٰ کہ جب ان کے سوالات ختم ہوگئے تو عکرمہ ازخود کہنے لگے کہ فلاں آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی اور فلاں آیت فلاں موقع پر اُتری۔'' (تهذيب التهذيب: ۲۶۶/ ۷)

ایوب سختیانیؒ ایک شخص کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: ''میں عکرمہ، سعید بن جبیر، طاؤس اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے عطاء کا بھی نام لیا تھا، ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اور اس دن عکرمہ علمی مذاکرہ کررہے تھے، اس وقت سامعین وحاضرین کا حال یہ تھا کہ ایسا محسوس ہورہا تھا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں (یعنی پوری توجہ وانہماک سے وہ سب ان کی باتیں سن رہے تھے) ان میں سے سوائے سعید کے کسی نے بھی کسی مسئلہ میں ان سے اختلاف نہیں کیا اور سعید نے بھی صرف ایک مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا۔'' (هدي الساري مقدمة فتح الباري: ۴۲۸/ ۱)

علماء ومحدثین کے ان اقوال وواقعات کی روشنی میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عکرمہ کا مقام ومرتبہ تفسیر میں کس قدر بلند تھا اور ان کے تفسیری اقوال وروایتیں کس درجہ مقبول ومستند تھیں؛ لیکن اس کے باوجود کچھ ایسے علماء ومحدثین بھی تھے جو بعض وجوہات کی بنا پر عکرمہ سے ناخوش تھے، بلکہ ان پر جرح کرتے تھے اور ان پر اعتراضات کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''هدي الساري مقدمه فتح الباري'' میں صحیح بخاری کے ان راویوں پر ایک الگ عنوان قائم کیا ہے جن پر طعن کیا گیا ہے، اس میں حضرت عکرمہؒ پر ایک طویل کلام کرکے بڑی تفصیل کے ساتھ ان اعتراضات کو نقل کرکے ایک ایک کی تردید یا توجیہ کی ہے، جس کی تلخیص مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے علوم القرآن میں تحریر فرمائی ہے، اس کا ایک

حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ عکرمہؒ پر جو اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں، ان کا دار و مدار تین اعتراضات پر ہے: ایک یہ کہ انہوں نے بعض غلط باتیں حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کردی تھیں۔ دوسرے یہ کہ وہ عقیدۃً خارجی تھے۔ اور تیسرے یہ کہ وہ امراء و حکام سے انعامات وصول کرتے تھے، جہاں تک اس تیسرے الزام کا تعلق ہے کہ انہوں نے امراء سے انعامات وصول کیے ہیں، سو ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی بنا پر ان کی روایات کو رد کردیا جائے۔ رہے باقی دو اعتراضات سو حافظ ابن حجرؒ نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ ان میں سے کوئی الزام ان پر ثابت نہیں ہوا، اس سلسلہ میں جتنے قصے ان کی طرف منسوب ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے ان میں سے ایک ایک کو نقل کرکے اس کی مدلل تردید یا توجیہ کی ہے؛ مثلاً ان پر جھوٹ کا جو الزام عائد کیا گیا ہے، اس کا منشا ایک غلط فہمی ہے اور وہ یہ کہ بسا اوقات انہوں نے ایک حدیث دو آدمیوں سے سنی ہوتی تھی، ایک موقع پر وہ ایک شخص سے روایت کرتے تھے، پھر کوئی اسی حدیث کے بارے میں پوچھتا تو دوسرے آدمی سے روایت کردیتے، اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے کہ یہ حدیث گھڑتے ہیں؛ حالانکہ دونوں مرتبہ ان کی روایت درست تھی، چنانچہ خود انہوں نے فرمایا ہے:''أرأیت ھولاءِ الذین یکذبون من خلفي، أفلایکذبوني في وجھي؟''... ''بھلا یہ لوگ جو میرے پیٹھ پیچھے میری تکذیب کرتے ہیں میرے سامنے کیوں تکذیب نہیں کرتے؟۔''مطلب یہ ہے کہ اگر وہ میرے سامنے تکذیب کریں تو میں ان کو حقیقت حال سے آگاہ کروں۔ اسی طرح ان پر خارجی ہونے کا جو الزام لگایا گیا ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: وہ کسی قابل اعتبار ذریعہ سے ثابت نہیں ہوا، البتہ ہوا یہ کہ انہوں نے بعض جزوی (فقہی) مسائل میں ایسا مسلک اختیار کیا تھا جو خارجیوں کے مطابق تھا، اس سے بعض لوگوں نے انہیں خارجیت کی طرف منسوب کردیا؛ چنانچہ امام عجلیؒ فرماتے ہیں:''عکرمۃ مولی ابن عباسؓ مکي تابعي ثقۃ بريء مما یرمیہ بہ الناس من الحروریۃ.''... ''عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ ہیں، مکہ کہ رہنے والے ہیں، ثقہ تابعی ہیں اور لوگ ان پر خارجیت کا جو الزام لگاتے ہیں وہ اس سے بری ہیں۔'' (علوم القرآن، ص: ۴۶۴ تا ۴۶۶، مکتبہ دارالعلوم)

اسی وجہ سے امام بخاریؒ کا ارشاد ہے: ''ہمارے ساتھیوں میں سے (یعنی محدثین میں سے) کوئی ایسا نہیں مگر وہ عکرمہؒ کی روایت سے استدلال کرتا ہے۔'' محمد بن نصر المروزیؒ فرماتے ہیں: ''اکثر اہل علم کا

عکرمہؒ کی روایت سے استدلال واحتجاج کرنے پر اتفاق ہے اور اس پر محدثین متفق ہیں۔‘‘

حافظ ابنِ مندہؒ فرماتے ہیں کہ: ’’ستر سے زیادہ اعلیٰ درجے کے تابعین نے ان کی توثیق کی ہے اور یہ کسی دوسرے کے لیے نہیں کی گئی۔ اس کے ساتھ جس نے ان پر جرح کی ہے، وہ بھی ان کی روایت لینے سے رکا نہیں اور نہ ہی ان سے بے نیاز ہوا ہے۔‘‘

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عکرمہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علوم کے محافظ اور امین، اپنے زمانہ کے بہت بڑے مفسر اور اکثر اہل علم کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتبار ہیں، محدثین آپ سے روایت کرنے پر اور آپ سے احتجاج واستدلال کرنے پر متفق ہیں، آپ کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی۔

حضرت عکرمہؒ کے تفسیری اقوال کا نمونہ

۱: ’’يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا‘‘ (یوسف:۴۱)

’’اے قید خانہ کے دونوں رفیقو! تم میں ایک تو (بری ہوکر) اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔‘‘

حضرت عکرمہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: وہ قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں نے ایک انگور کا دانہ زمین میں گاڑا، اس سے انگور کی بیل اُگ آئی، پھر اس میں انگور کے خوشے نکل آئے، میں نے انہیں توڑ کر اسے نچوڑا، پھر اسے بادشاہ کو پلانے گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ تم تین دن جیل میں رہو گے، پھر رہا ہوکر جیل سے نکل جاؤ گے، پھر بادشاہ کو شراب پلایا کرو گے۔(الدر المنثور:۵۳۹/ ٤)

۲: ’’ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ‘‘ (آل عمران:۴۴)

’’یہ قصے منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں، ہم ان کی وحی بھیجتے ہیں آپ کے پاس اور ان لوگوں کے پاس، آپ نہ اس وقت موجود تھے، جبکہ وہ (قرعہ کے طور پر) اپنے اپنے قلموں کو پانی میں ڈالتے تھے کہ ان سب میں کون شخص مریم (رضی اللہ عنہا) کی کفالت کرے اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے، جبکہ باہم وہ اختلاف کررہے تھے۔‘‘

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں: وہ لوگ یعنی بیت المقدس کے نگران ومتولیان نہرِ اُردن کے پاس آئے اور مریم (رضی اللہ عنہا) کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی کی اور قرعہ اندازی کے لیے یہ بات طے پائی کہ وہ سب اپنے قلموں کو جس سے وہ تورات اور دیگر کتبِ مقدسہ لکھا کرتے تھے، نہر میں ڈال دیں، سو جس کا قلم پانی کے بہاؤ میں نہ بہے، بلکہ ٹھہر جائے تو وہی شخص مریم کی کفالت کرے گا، پھر ان لوگوں نے اپنے اپنے قلموں کو نہر میں ڈال دیا تو زکریا علیہ السلام کے قلم کے سوا باقی سب کے قلم نہر کے بہاؤ میں بہہ گئے اور زکریا علیہ السلام کا قلم پانی

کے بہاؤ میں ٹھہرا رہا۔ (تفسیر ابن کثیر)

۳: ''وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ'' (البقرۃ:۱۵۹)

''اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں: ''ان کفار پر ہر چیز لعنت کرتی ہے، حتیٰ کہ مکوڑے اور بچھو تک ان پر لعنت کرتے ہیں، کہتے ہیں: بنی آدم کے گناہوں کی نحوست کے سبب ہم سے بارش روک لی گئی۔'' (الدر المنثور: ۱/ ۳۹۱)

طاؤس بن کیسان حمیریؒ

طاؤس نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، الیمانی الجندی نسبت تھی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ سیدہ عائشہ، زید بن ثابت، ابوہریرہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے بھی شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کی جن میں ان کے بیٹے عبداللہ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ فضل وکمال کے اعتبار سے طاؤس کا شمار کبار تابعین میں تھا، علم وعمل کے سرتاج تھے۔ عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے طاؤس کی مثل کوئی نہیں دیکھا۔'' قیس بن سعد کہتے ہیں کہ: ''طاؤس ہمارے درمیان ایسے ہی تھے جیسے بصرہ میں ابنِ سیرینؒ۔'' حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''طاؤس یمن کے شیخ اور ان کی برکت اور ان کے مفتی تھے، بکثرت حج کیے۔'' (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۷۰) آپ سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیری روایات پہلے تین حضرات کی نسبت کم تعداد میں منقول ہیں۔

عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

مکہ مکرمہ کے مفتی اور محدث تھے۔ مناسکِ حج کے علم میں فائق تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ایسے تلمیذ ہیں جن کے بارے میں خود ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''يا أهل مكة! تجتمعون علي وعندكم عطاء؟'' ''اے اہل مکہ! جب تمہارے پاس حضرت عطاء موجود ہیں تو میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ تشریف لائے تو لوگ آپ سے مسائل دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ''تجتمعون لي المسائل وفيكم عطاء؟'' جب تمہارے اندر حضرت عطاء موجود ہیں تو مجھ سے مسائل پوچھنے کیوں آتے ہو؟ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور فرماتے ہیں کہ: ''میں نے عطا سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔''

(تذكرة الحفاظ ۷۵/ ۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

.....❁.....❁.....❁.....

تعلیماتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور عہد حاضر

مولانا سفیان علی فاروقی

تعلیماتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی اہمیت عہد حاضر میں پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے، بلکہ اس عہد میں فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے اور پر امن معاشرے کے قیام کے لیے اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم کے قول وفعل سے رہنمائی لینا بے حد ضروری ہے، لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ جتنی اس چیز کی اہمیت وضرورت ہے، اتنا ہی ہم اس سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ بنیادی کتب اور مصادر تک رسائی اس عہد میں جتنی آسان ہے، شاید ہی پہلے کبھی رہی ہو، لیکن ہم اتنا ہی مطالعے سے دور جاچکے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان گنت ایسی باتیں گردش کرتی ہیں جن کا اصل احوال سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا اور ان میں سے بے شمار چیزیں معاشرے کے امن کو خراب کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ انہی چیزوں میں سے ایک چیز لفظ ''اہلِ بیت رضی اللہ عنہم'' کے اطلاق کا مسئلہ بھی ہے، یعنی اہل بیت رضی اللہ عنہم کون ہیں؟ اور کون نہیں ہیں؟ اس کو بلاوجہ متنازع بنا کر پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ بزرگانِ دین کا اس پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کون؟

اہلِ بیت دو لفظوں ''اہل'' اور ''بیت'' کا مجموعہ ہے اور اس کا مطلب اہل لغت کے ہاں ''گھر والے'' ہیں۔ قرآن پاک میں لفظ ''اہل بیت'' دو جگہ آیا اور دونوں جگہ بیویاں مخاطب ہیں:

''قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' (سورۃ ہود)

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔

''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا''

یہاں نبی کریم ﷺ کی مطہر بیویوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

اگر مزید تحقیق کی جائے تو قرآن پاک میں لفظ ''أھل'' تقریباً ۱۲۵ مرتبہ آیا ہے اور متفرق معنوں میں استعمال ہوا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

①: أھل بمعنی بیوی، اس کی دو مثالیں اوپر دی جا چکی ہیں۔

②: کسی شہر یا بستی کے لوگ، جیسے: ''وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا''

③: کسی دین یا کتاب کے ماننے والے، جیسے: ''يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ''

④: کسی چیز کے لائق یا حقدار لوگ، جیسے: ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا''

لفظ ''أھل'' سیاق و سباق کے ساتھ بدلتا رہتا ہے، اب ''اہل بیت'' کے حوالے سے ایک مستند حدیث بھی ہے جسے ''حدیث کساء'' کہا جاتا ہے جو کہ اہل بیت کے مفہوم کو مزید وسیع کرتی ہے اور اس میں سیدنا علی المرتضی شیر خدا، حضرات حسنین کریمین، سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم شامل ہیں، اسی طرح کچھ اور مستند احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ جب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کے پاس تشریف لے جاتے تو فرماتے: ''السلام علیکم یا أھل البیت!''۔ اسی طرح صاحبِ تحقیق بزرگانِ دین ''اہل بیت'' میں ان سب رشتہ داروں کو بھی شمار کرتے ہیں جن سے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ان کے لیے زکوۃ حرام ہے اور یہی ''اہلِ بیت'' کا بہترین مفہوم ہے، لیکن بدقسمتی سے عہد حاضر میں کچھ کم علم لوگ ''اہل بیت'' کے مفہوم سے نبی کریم ﷺ کی تمام ازدواج، تمام اولاد (سوائے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے)، تمام داماد (سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے) اور تمام نواسے نواسیوں (سوائے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے) کو نعوذ باللہ نکال دیتے ہیں، یہاں تک کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے باقی سارے بیٹے بیٹیوں کو بھی نکال دیتے ہیں سوائے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے، پھر آگے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ساری اولاد کو نکال دیتے ہیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کچھ اولاد کے قائل ہیں، کچھ کے قائل نہیں ہیں۔

یہ ایک من گھڑت مفہوم ہے جو کہ پندرہ سو سال کے علماء کرام و بزگانِ دین نے نہیں اپنایا۔ تعلیماتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے پہلے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مفہوم کو مختصراً آپ سب کے سامنے رکھنا بے حد ضروری تھا، اب اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم کی وہ تعلیمات جو ''رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' کی عملی تفسیر تھیں کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے، جس کا مقصد وہ حقیقی منظر نامہ آپ کے سامنے رکھنا ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے اخلاق، آپ ﷺ کی تعلیمات کے عملی پیکر، آپ ﷺ کی تربیت کے عملی نمونے اور اہل بیت عظام و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی محبت و الفت اور دین اسلام کی سربلندی کے لیے مشترکہ کاوشیں عوام الناس کے سامنے آئیں اور وہ ہستیاں جو باہم شیر و شکر

تھیں، ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ '' کی عملی تفسیر تھیں، جو نبوت سے براہِ راست فیض یاب ہوئیں، جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے مشترکہ قربانیاں دیں، جنہوں نے ہمیشہ خود پر دوسرے کو فوقیت دی، جن کے باہمی تعلقات نبی کریم ﷺ کی مطہر و بابرکت آنکھوں کے آگے پروان چڑھے، جنہیں قرآن پاک نے بے شمار اعزازت سے نوازا، جو آپ ﷺ کے باقاعدہ شاگرد تھے، ایسے بہترین معاشرے کو آپ حضرات کے سامنے رکھا جائے، تاکہ ان کی باہمی محبت کو مشعلِ راہ بھی بنایا جاسکے اور ان کے بیچ نام نہاد توڑ ثابت کرنے کی ناکام کوششوں کی بیخ کنی بھی کی جاسکے۔

نبی کریم ﷺ کی مطہر اولاد کے متعلق امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''خدیجہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ اولاد پیدا ہوئی: قاسم، طاہر، انہی کو عبداللہ کہتے ہیں اور ام کلثوم، رقیہ، زینب اور فاطمہ۔'' (كتاب الخصال للشيخ الصدوق، ص: ٣٧٥، باب السبعة)

''ایک مرتبہ ایک شخص نے سیدنا علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ: اے امیر المومنین! فلاں دروازے پر دو شخص ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں بدکلامی اور طعن گوئی کر رہے ہیں تو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان ہتک عزت کرنے والے دونوں اشخاص کو کپڑے (قمیص) اُتار کر دُرّے لگائے جائیں۔''

(البداية لابن كثيرؒ، ج:٧، ص: ٢٤٥، تحت حالات بعد واقعة جمل)

''حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا کہ یکایک ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما دور سے آتے ہوئے دکھائی دیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ دونوں تمام اگلے اور پچھلے پیرانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں سوائے نبیوں اور رسولوں کے۔''

(سنن ترمذی، حدیث نمبر: ٣٦٦٦، باب المناقب)

سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مقدس شخصیات سے بے حد لگاؤ رکھتے تھے اور ان کے دنیا سے جانے پر شدید غم کا اظہار کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

''اللہ نے مسلمانوں میں سے بہت سے افراد کو اپنی تائید و مدد کے لیے چن لیا تھا، اسلام میں جو کوئی جس منزلت کا حامل ہوتا ہے، اللہ بھی اپنے ہاں اسے وہی مقام و عزت بخشتا ہے، ان میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے بلند تر مقام کے حامل آپ ﷺ کے خلیفہ صدیقؓ اور صدیقؓ کے خلیفہ فاروقؓ ہیں، بے شک وہ دونوں اسلام میں عظیم مقام پر فائز ہیں، اللہ ان

پر رحم کرے، انہیں اسلام کی وجہ سے بہت تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچیں، اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے۔‘‘ (ابن میثم شرح نہج البلاغۃ، ص:۴۸۸، مطبوعہ ایران)

’’منتھی الآمال‘‘ میں ہے کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان معاہدہ طے پا رہا تھا تو ان میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ:

’’وہ لوگوں کے تمام فیصلے و احکامات اللہ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم (چاروں خلفاء) کی سیرت کے مطابق کیا کریں گے۔‘‘

(منتھی الآمال، ج:۲، ص:۲۱۲، مطبوعہ ایران)

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے اپنے جسم کی طرح عزیز ہے۔‘‘ (معاني الأخبار، صفحہ:۱۱۰، مطبوعہ: ایران)

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

’’بالتحقیق میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کے لیے استغفار کرتا ہوں، کیوں کہ میں نے اپنے اہل بیت رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو ان دونوں سے محبت نہ کرتا ہو۔‘‘

(محض الصواب لابن المبرد، ص:۲۳۷)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی لختِ جگر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تو حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا اپنی ہمشیرہ کے ہاں آنا جانا رہتا تھا۔ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ:

’’سیدنا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اپنی بہن امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، اس حالت میں کہ بعض اوقات وہ اپنے سر کے بالوں میں کنگھی کر رہی ہوتی تھیں۔‘‘

(المصنف لابن أبي شيبة، ج:۴، ص:۳۳۶، طبع: دکن)

فقہاء نے اس سے مسئلہ اخذ کیا کہ اپنی بہن یا بیٹی کے بالوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

’’اے عثمان! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے قرابت اور رشتہ داری میں زیادہ قریب ہیں کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دامادی کا شرف پایا ہے۔‘‘ (نهج البلاغة، ج:۱، ص:۳۰۳)

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ’’نهج البلاغة‘‘ میں موجود ہے کہ:

’’آپ امیر علیہ السلام کا فرمان ہے، جس کو آپ نے تمام ممالک میں روانہ فرمایا تھا، اس فرمان میں امیر اُن واقعات کو بیان کرتے ہیں جو اُن کے اور اہلِ صفین کے درمیان واقع ہوئے: ’’اور ابتدا ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہلِ شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، ہماری اور ان کی دعوتِ اسلام ایک، نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ان سے زیادہ اور نہ وہ ہم سے زیادہ، پس معاملہ ہمارا اور ان کا ایک ہے ،صرف خونِ عثمانؓ کے بارے میں ہمارا اور ان کا اختلاف پڑ گیا تھا، حالانکہ خدا کی قسم میں اس سے بالکل پاک وصاف ہوں۔‘‘ (نهج البلاغة :شرح شيخ محمد عبده، ج:۳،ص:۱۱۴،طبع:بیروت)

مضمون کی طوالت سے بچنے کے لیے ان چند اقوال پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے، ورنہ اس طرح کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں اور یہ اقوال واعمال ہمارے اس عہدِ حاضر میں جتنے قابلِ تقلید اور قابلِ عمل ہیں، شاید ہی ان کی ضرورت واہمیت کسی دور میں اتنی زیادہ ہو، یہ واقعات یہ سکھاتے ہیں کہ اگر اختلاف ہو بھی جائے تو کسی کی تکریم کم نہیں ہونی چاہیے، انہی واقعات سے سبق ملتا ہے کہ مخالفت کی آڑ میں اخلاقیات کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے، یہی چیزیں ہمیں سبق سکھاتی ہیں کہ ذاتی رجحانات آپ کو حقائق مسخ کرنے پر نہ اُبھار سکیں، یہ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ اختلاف میں شریعت کے تقاضوں کو نہیں بھولنا چاہیے، انہی سے یہ بھی سبق حاصل ہوتا ہے کہ سچ کو کبھی بھی توڑ موڑ کر نہیں پیش کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم کا سچا پیروکار بنائے، آمین۔

حج: اسلام کا بنیادی رکن

مولانا احمد یوسف عبدالرحیم
رفیق شعبہ لائبریری، جامعہ

حج اسلام کے بنیادی پانچ ارکان میں سے پانچواں رکن، دین اسلام کا بنیادی ستون اور مقدس فریضہ ہے، جس کی فرضیت سن ۹ ھ میں ہوئی، اسی سال حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا امیر بنا کر حج کے لیے روانہ فرمایا، جبکہ آپ ﷺ خود سن ۱۰ ھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکمِ حج کی تعمیل میں حج کے لیے تشریف لیے گئے، فرضیت حج کے بعد حضور اقدس ﷺ نے یہ پہلا حج کیا جو آپ ﷺ کا آخری حج بھی ثابت ہوا، حضور قدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ. '' (بخاری شریف)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: توحید، رسالت کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، اور بیت اللہ کا حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت کے مختلف طریقے رکھے ہیں اور ان میں سے ہر ایک طریقہ ایک الگ شان رکھتا ہے، نماز کی شان الگ، روزے کی شان الگ، زکوٰۃ کی شان الگ ہے، حج کی شان الگ ہے۔

حج کیا ہے؟

حج حقیقی معنوں میں اسلامی مساوات اور عالمگیریت کو برنگِ عبادت عملی صورت دینے کے لیے مقرر کیا گیا، تاکہ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی تمام قومیں بیت اللہ کے گرد یکساں انداز میں جمع ہوں اور مقررہ ایام میں اپنے وطن، اہل وعیال، اموال اور تجارت کو چھوڑ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں دیوانہ

وارِ عشاقِ خداوندی بن کر حاضر ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے مطابق حج کے ہر ایک رکن کو ادا کریں۔ الغرض اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں کی بارش سے اپنے آپ کو مکمل تر کر دینے کو حج کہتے ہیں، اس لیے اہلِ دل جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے خاص قرب ہوتا ہے، موسمِ حج کے انتظار میں شب و روز گزارتے ہیں، اور جب یہ موسمِ عشق ومحبت آ جاتا ہے قلبِ تپاں اور جگرِ سوزاں لے کر ''لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ'' کی صدا بلند کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور حاضری دیتے ہیں، بزرگوں کے بے شمار واقعات اس پر گواہ ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ جل شانہ نے یوں تو ہر عبادت کے لیے قدم قدم پر رحمت وعنایت اور اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں، نماز، زکوٰۃ، اور روزہ واعتکاف وغیرہ سب پر جنت اور جنت کی پیش بہا نعمتوں کے وعدے ہیں، لیکن تمام عبادات میں حج بیت اللہ کی شان سب سے نرالی ہے، گویا کہ دبستانِ عبدیت کا آخری نصاب ہے، جس کی تکمیل پر بارگاہِ عالی سے رضا وخوشنودی کی آخری سند عطا کی جاتی ہے، کتنے عجیب انداز سے فرمایا گیا ہے: حج مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہی ہے۔''

حج کی فرضیت

حج کی فرضیت کے حوالے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا''

ترجمہ: ''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔'' (سورۃ آل عمران: ۹۷، ترجمہ: بیان القرآن)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم وواجب قرار دیا ہے، بشرطیکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ ضرورت سے زائد اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے کا خرچہ اور وہاں قیام کا خرچہ برداشت کر سکے، اور اپنے اہل وعیال کا واجبی خرچہ پورا کر سکتا ہو تو ایسے شخص پر حج فرض ہے۔ اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أيها الناس! قد فرض عليكم الحج فحجوا .... الخ'' یعنی ''اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہٰذا حج کرو۔''

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لیے جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے شدید وعید بیان فرمائی، حدیث پاک کا مفہوم ہے:

’’جو شخص سامانِ سفر اور اپنی سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا دے پھر اس کے باوجو د حج نہ کرے تو اس کے یہودی یا نصرانی ہو کر مر جانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔‘‘ (مشکوٰۃ المصابیح)

علماء یہ فرماتے ہیں کہ: اگر اس نے قدرت اور استطاعت کے باوجود حج اس لیے نہیں کیا کہ وہ اس کی فرضیت ہی کا منکر ہو، پھر یہودی اور نصرانی کی مشابہت کا تعلق کفر سے ہوگا، جس طرح یہودی اور نصرانی کفر پر مرتے ہیں، اسی طرح وہ بھی کفر کی ہی حالت میں مرے گا، اور اگر فرضیت کا منکر ہوئے بغیر حج نہ کرے تو اس مشابہت کا تعلق گناہ سے ہوگا کہ یہودی و نصرانی جتنے سخت گناہ کی حالت میں مرتے ہیں وہ اتنے ہی شدید گناہ کا بار لیے ہوئے موت کی نذر ہوگا، لہٰذا جس شخص پر حج فرض ہو جائے اس پر لازم ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو حج ادا کرلے۔ حدیث شریف میں ہے:

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو حج کی ادائیگی میں جلدی کرے۔‘‘ (مشکوٰۃ المصابیح)

کسی کو کیا خبر کہ بعد میں کوئی مرض یا کوئی اور ضرورت لاحق ہو جائے۔ تاہم اگر زندگی میں ادا کرلیا تو ادا ہو جائے گا اور تاخیر کا گناہ بھی نہ رہے گا، اور اگر زندگی میں ادا نہ کر سکا تو گناہ گار رہو گا۔

حج کی فضیلت

ابن شماسہؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب کہ وہ قریب المرگ تھے، وہ کافی دیر تک روئے، پھر انھوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کرلیا، اس پر ان کے صاحب زادے نے چند سوالات کیے، انھوں نے فرمایا کہ: جب اللہ نے میرے دل کو نورِ ایمان سے منور کرنا چاہا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں؛ تاکہ میں بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلایا، پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عمرو تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ: میری ایک شرط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمہاری کیا شرط ہے؟ میں نے کہا: میری مغفرت کردی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ؟ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ؟‘‘ (مسلم)

’’کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام قبول کرنا پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے؟ ہجرت گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج، پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ، وَلَمْ یَفْسُقْ، رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ أُمُّہٗ .'' (بخاری)

''جس شخص نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس نے (اس دوران) فحش کلامی یا جماع اور گناہ نہیں کیا تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے پاک ہوکر اس طرح) لوٹا جیسا کہ اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! اَلَا نَغْزُوْ وَ نُجَاھِدُ مَعَکُمْ؟ فَقَالَ: لٰکِنَّ اَحْسَنَ الْجِھَادِ وَاَجْمَلَہُ الْحَجُّ، حَجٌّ مَبْرُوْرٌ ، فَقَالَتْ عَائِشَۃُ: فَلَا اَدَعُ الْحَجَّ بَعْدَ إِذْ سَمِعْتُ ھٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.''

''میں نے کہا کہ: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم آپ کے ساتھ جہاد اور غزوہ میں شریک نہ ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر اور اچھا جہاد حج مبرور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے تو اس کے بعد میں حج نہیں چھوڑتی ہوں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو حرمین کی بار بار زیارت نصیب فرمائے، فریضۂ حج کو سمجھنے اور ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

تزکیہ وتصوف

مفتی زبیر شاہ بنوی
بنوں

حقیقت - ضرورت

انسان کی تخلیق اور اس کی زندگی کا اصل مقصد اپنے خالقِ حقیقی کی پہچان اور اس کی عبودیت کا حصول ہے، جس کے لیے باطن کی صفائی اور ظاہر کا موافقِ شریعت ہونا بنیادی اور ضروری چیز ہے، چنانچہ تصوّف (تزکیۂ نفس) کی حقیقت اور اصل مقصد بھی رذائل و اخلاق ذمیمہ سے دل کی پاکیزگی، روح کی اصلاح، اللہ تعالیٰ سے محبت، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے اتباعِ شریعت میں کمال کا درجہ حاصل کرنا اور ان چیزوں کے حصول کے لیے غایت درجہ کا مجاہدہ کرنا ہے، حقیقی تصوّف وہی ہے جو قرآنی تعلیمات اور احادیث کی رہنمائی کے مطابق ہو، اور جس میں بدعات اور دیگر غیر شرعی خرابیاں نہ ہوں، جبکہ دوسری طرف قرآنی آیات و احادیث مبارکہ میں روحانی تربیت اور دل کی اصلاح پر بہت زور دیا گیا ہے، جو درحقیقت تصوّف کی اصل بنیاد ہے، لہٰذا مذکورہ بالا تناظر میں اگر دیکھا جائے تو تصوّف (طریقت) اور شریعت میں تلازم اور ہم آہنگی ثابت ہوتی ہے کہ تصوّف شریعت سے ہٹ کر کوئی نئی چیز نہیں، چنانچہ امام شہاب الدین سہروردی بغدادیؒ نے اپنی کتاب ''عوارف المعارف'' میں حضرت جنید بغدادیؒ سے تصوّف کی تعریف بھی یہی نقل کی ہے کہ:

''وقال الجنید: و قد سئل عن التصوّف فقال: ''أن تکون مع اللہ بلاعلاقۃ.'' (عوارف المعارف، ص:۳۷، ط:دار الکتب، بشاور)

''تصوف یہ ہے کہ بغیر کسی ذاتی غرض کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا براہِ راست تعلق جڑ جائے۔''

اسی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنی کتاب ''شریعت و طریقت'' میں فرماتے ہیں کہ:

’’شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی تعریف اور باہمی تعلق

شریعت احکامِ تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے، اس میں اعمال ظاہری اور باطنی سب آ گئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس امر کا مرادف (ہم معنی) سمجھا جاتا ہے، جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے: ’’معرفة النفس مالها وما عليها‘‘ یعنی ’’نفس کے نفع اور نقصان کی چیزوں کو پہچاننا۔‘‘

پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت جزو متعلق باعمالِ ظاہرہ کا نام ’’فقہ‘‘ ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمالِ باطنہ کا نام ’’تصوّف‘‘ ہو گیا اور ان اعمالِ باطنی کے طریقوں کو ’’طریقت‘‘ کہتے ہیں، پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلاء اور صفاء پیدا ہوتا ہے، اس سے قلب پر بعض حقائقِ کونیہ متعلقہ اعیان و اعراض (یعنی حقائق ولوازمات) بالخصوص اعمالِ حسنہ وسیئہ و حقائقِ الٰہیہ صفاتیہ وفعلیہ بالخصوص معاملات بین اللہ اور بین العبد (یعنی جو معاملات اللہ اور بندے کے درمیان ہیں) وہ منکشف ہوتے ہیں، ان مکشوفات کو ’’حقیقت‘‘ کہتے ہیں اور اس انکشاف کو ’’معرفت‘‘ کہتے ہیں اور اس صاحبِ انکشاف کو ’’محقق‘‘ اور ’’عارف‘‘ کہتے ہیں، پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔

اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف جزو متعلق باحکام ظاہرہ کو کہتے ہیں، یہ اصطلاح کسی اہلِ علم سے منقول نہیں اور عوام کے اعتبار سے اس کا منشا بھی صحیح نہیں کہ وہ ظاہر اور باطن میں اعتقادِ تنافی یعنی (ظاہر اور باطن میں اختلاف کا قائل ہونا ہے)، واللہ اعلم۔

تصوّف کے اصولِ صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تصوّف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے، بالکل غلط ہے، یعنی غالب صوفیوں کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں، مگر دونوں غلط سمجھے۔ خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب واہیات ہیں، بس نماز روزہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس کو کرنا چاہیے، یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے؟! تو گویا ان کے نزدیک قرآن و حدیث تصوّف سے خالی ہیں۔

اور غالی صوفی یوں کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علم باطن ہے، ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن وحدیث ہی کی ضرورت نہیں۔ غرض دونوں فرقے قرآن و حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ

دیا اور ایک نے قرآن وحدیث کو۔

اے صاحبو! کیا غضب کرتے ہو، خدا سے ڈرو۔ اس کے متعلق میں نے اس مضمون پر دو مستقل کتابیں لکھی ہیں ایک تو ''حقیقۃ الطریقت'' جس میں مسائل تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی گئی ہے۔ ایک رسالہ مستقل ''مسائل السلوک'' جس میں صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تصوف کے مسائل قرآن مجید سے بھی ثابت ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے معلوم ہوگا کہ قرآن وحدیث تصوف سے لبریز ہیں اور واقعی وہ تصوف ہی نہیں جو قرآن وحدیث میں نہ ہو۔ غرض جتنے صحیح اور مقصودی مسائل تصوف کے ہیں، وہ سب قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔

(ماخوذ از ''شریعت وطریقت''،ص:۳۵، ۳۴،ط:مکتبۃ الحق)

جبکہ اس مضمون کا خلاصہ حدیث جبرائیلؑ میں بھی بخوبی واضح ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: احسان کیا چیز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے اس کو دیکھ رہے ہو، لہٰذا طریقت دراصل اس احسان ہی کا ایک نام ہے یا تحصیلِ صفت احسان کا طریقہ ہے، اسی کو تصوف اور سلوک کہتے ہیں یا جو چاہے نام رکھ دیا جائے، یہ سب تعبیرات ہیں۔

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت علامہ الشیخ زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''شریعت وطریقت کا تلازم'' میں شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے حوالے سے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ:

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ کے مکاتیب میں بھی کثرت سے اس پر زور دیا گیا ہے کہ مقصودِ اصلی سلوک سے احسان ہے، وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرے محترم! مقصودِ اصلی سلوک سے احسان ہے: ''أن تعبد اللہ کأنك تراہ'' الحدیث یعنی سالک میں ملکہ راسخہ پیدا ہوجائے، یہ مبدأ ہے، اور باعتبار نہایت کے رضائے باری عز اسمہ کا حصول ہے:

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

یعنی فراق ووصل کو کیا ڈھونڈتا ہے، محبوب کی رضامندی ڈھونڈ کہ محبوب سے محبوب کے سوا کی تمنا بڑے افسوس کی بات ہے۔

یہ کوشش کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے محبتِ صادقہ پیدا ہوجائے اور وہ بڑھتے بڑھتے اتنی ہوجائے کہ ماسوا کا تعلقِ قلبی منقطع ہوجائے، یہ اور اس کی مؤیدات وذرائع سب کے سب وسائل ہیں، ریاضات اور اصلاحِ

اخلاق بھی اسی قسم سے ہے۔ متقدمین صوفیہ اصلاحِ اخلاق کو مقدم سمجھتے ہیں اور بسا اوقات اس میں سالہا سال خرچ کر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں بسا اوقات وصول الی اللہ سے پہلے ہی موت آ جاتی ہے اور انسان کو اس نعمت سے محرومی کی حالت میں دنیا سے سفر کرنا پڑتا ہے۔ متاخرین نے اس میں تدبر سے کام لیا، وہ وصول الی اللہ اور توجہ الی الذات المقدسہ کو مقدم فرماتے ہیں اور اس رابطہ میں انہماک کرا کر حضورِ دائم کو پیدا کرتے ہیں اور اس میں ملکہ کو رسوخ وقوت دیتے ہیں اور جس کی وجہ سے اخلاقِ ذمیمہ اور رذائل ایک ایک کر کے زائل ہو جاتے ہیں۔ بہرحال آپ توجہ الی الذات المقدسہ میں ہمیشہ کشاں رہیں، خواہ ذاتِ محضہ کی طرف یا بعیت باعتبار صفت من صفاتہ الکاملہ اور ''اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ'' کا حال قائم رکھیں، انسان کے اعمال میں نقائص کا ہونا فطری امر ہے، مگر انسان کا فریضہ ہے کہ نقائص کے ازالے میں کوشاں رہے اور ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' ہر نماز میں اخلاص سے کہتا رہے۔

اسی طرح حضرت شیخ حضرت مدنیؒ سے ہی نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اکابر کے کلام میں بہت تصریح اس بات کی ہے کہ اصل مقصود درجۂ احسان کا حاصل کرنا ہے اور یہ مجاہدات وریاضات جو صوفیوں نے تجویز کیے ہیں، وہ امراضِ قلوب کی وجہ سے تجویز کیے ہیں، جیسا کہ امراضِ بدنیہ میں نئے نئے امراض پیدا ہوتے ہیں اور اس کے لیے ڈاکٹر، حکیم نئی نئی ادویہ تجویز کرتے رہتے ہیں، جیسا ان کے متعلق یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ بدعت ہے، ایسا ہی ان علاجوں کے متعلق یہ تجویز کرنا کہ یہ بدعات ہیں، یہ ناواقفیت ہے، وہ تو اصل مقاصد ہیں ہی نہیں، وہ تو خاص خاص امراض کے خاص خاص طریقۂ علاج ہیں۔

اسی طرح آگے جا کر حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت قطب الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد مولانا میرٹھیؒ نے حضرت کی سوانح ''تذکرۃ الرشید'' جلد دوئم ص:۱۱ میں لکھا ہے کہ:

''صوفیاء کا علم نام ہے ظاہر و باطن، علم دین وقوتِ یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے، صوفیاء کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے، تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادے کا چھن جانا اور بندے کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ ﷺ کا خلق ہے، حسبِ فرمانِ خداوند تعالیٰ کہ: ''بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کیے گئے ہو۔'' اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اس پر عمل اخلاقِ صوفیاء میں داخل ہے۔ (ص:۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۱۵، شریعت وطریقت کا تلازم، مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد، کراچی)

تصوّف سے انکار اور اس کو شرک سمجھنا

لہٰذا ایسے تصوّف کا انکار کرنا جو حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ تعلق جوڑنے کا سبب ہو، یا اس کو سراسر

باطل یا دین سے خارج سمجھنے کا نظریہ رکھنا اور اس کو شرک کہنا درست نہیں اور شریعت کی تعلیمات کے منافی اور گمراہی کا سبب ہے۔

حوالہ جات

كما في القرآن الكريم: ''يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ''(المُمْتَحِنَة:۱۲)

''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا''(الشَّمْس)

وفي سنن النسائي: (كتاب البيعة،البيعة على الجهاد)،(٦٢٣/ ٢)، ط: مكتبه لدهيانوى:

عن ابن شهاب قال: حدثني إدريس الخولاني، أن عبادة بن الصامت قال: ''إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال، وحوله عصابة من أصحابه: تبايعوني على أن لا تشركوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا أولادكم ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم ولا تعصوني في معروف، فمن وفى فأجره على الله، ومن أصاب منكم شيئا فعوقب به فهو له كفارة، ومن أصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله فأمره إلى الله إن شاء عفا عنه، وإن شاء عاقبه.''

وفي عوارف المعارف: (ص:٣٦)،ط: دار الكتب بشاور:

''أبو محمد الجريري يقول: سمعت الجنيدؒ يقول: ما أخذنا التصوّف عن القيل والقال، و لٰكن عن الجوع و ترك الدنيا و قطع المألوفات والمستحسنات.''

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حضرت مولانا نورالدین بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ

زہد وقناعت اور قرآن کریم سے محبت

مولانا ڈاکٹر اکرام اللہ خان
استاذِ جامعہ

اہلِ علم اور اہل اللہ کی زندگیاں اُمت کے لیے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی سادگی، قناعت اور اخلاص ایسے اوصاف ہیں جو انسان کو دنیا کی حقیقت اور آخرت کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔ ایسی ہی درویش صفت اور باعمل شخصیات میں حضرت مولانا نورالدین بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نمایاں ہے۔ آپ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی قدس اللہ سرہٗ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آپ کی پوری زندگی سادگی، اخلاص، قناعت اور قرآنِ کریم سے والہانہ محبت کا ایک حسین نمونہ تھی۔

ایک بنگلہ اور ایک درویش صفت عالم

جامع مسجد بنوری ٹاؤن کے ایک بزرگ معتکف جناب سید موسیٰ صاحب بیان کرتے ہیں کہ سن ۲۰۰۲ء میں حضرت مولانا نورالدین بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقتدیوں میں چند مخلص اور صاحبِ حیثیت افراد جو حضرت مولانا کی سادگی، تقویٰ اور اخلاص سے بے حد متاثر تھے، انہوں نے باہمی مشورے سے یہ ارادہ کیا کہ حضرت کی رہائش کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہونا چاہیے، چنانچہ گلشنِ اقبال کے قریب ایک علاقے میں تقریباً پچاس لاکھ روپے مالیت کا ایک بنگلہ خرید لیا گیا اور طے کیا گیا کہ اسے بطور ہدیہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ جب یہ حضرات خوشی کے اظہار کے طور پر مٹھائی لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا: ''حضرت! ہم نے آپ کے لیے ایک بنگلہ خریدا ہے، یہ اس خوشی کی مٹھائی ہے۔'' یہ سن کر حضرت مولانا نورالدین بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک سبق آموز واقعہ بیان فرمایا۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر ہونے والے قاتلانہ حملہ کا تفصیلی تذکرہ کیا اور فرمایا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے

آخری ایام میں شدید زخمی حالت میں تھے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا: ''یا امیر المؤمنین! کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کے اہل وعیال کے لیے بیت المال سے کوئی وظیفہ مقرر کر دیا جائے؟'' یہ ایک خیر خواہانہ تجویز تھی، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے دوران اپنی ذات کے لیے بیت المال سے فائدہ نہیں اُٹھایا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت عاجزی اور خوفِ خدا کے ساتھ منع کر دیا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت مولانا نورالدین بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت انکسار کے ساتھ فرمایا: میری ہڈیاں بھی کمزور ہیں، میں بھی اپنے آپ کو اس آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ چنانچہ آپ نے بنگلے کا تحفہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مٹھائی واپس کرتے ہوئے فرمایا: یہ مٹھائی آپ لوگ خود کھائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، میں آپ کے اس تحفے کو قبول کرنے سے معذرت چاہتا ہوں۔ یہ واقعہ حضرت کی بے نیازی، زہد اور دنیاوی آسائشوں سے بے رغبتی کا واضح مظہر ہے۔

پچاس سال کی عمر میں حفظِ قرآن

حضرت کے قریبی عزیز برادر مکرم مولانا محمد عمر انور بدخشانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولانا نورالدین بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر جب پچاس سال سے زیادہ تھی اور آپ ذیابیطس کے شدید مریض بھی تھے، اس کے باوجود آپ کے دل میں قرآن کریم سے غیر معمولی محبت اور شوق موجزن تھا، چنانچہ ایک رمضان المبارک میں آپ نے قرآن کریم حفظ کرنے کا ارادہ کیا اور غیر معمولی محنت اور استقامت کے ساتھ صرف ستائیس دن میں پورا قرآن کریم حفظ کرلیا اور اسی رمضان میں تراویح میں سنا دیا۔

سبق آموز پہلو

حضرت مولانا نورالدین بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے یہ واقعات ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ:

- دنیا کی آسائشیں اللہ والوں کے ہاں مقصد نہیں ہوتیں۔
- قناعت اور سادگی انسان کو حقیقی عزت عطا کرتی ہے۔
- قرآن کریم سے محبت انسان کو غیر معمولی قوت اور استقامت عطا کرتی ہے۔
- اخلاص کے ساتھ کیا گیا ارادہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد کو متوجہ کرتا ہے۔

یقیناً ایسے نفوسِ قدسیہ اُمت کے لیے مشعلِ راہ ہوتے ہیں۔

''خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را''

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

گرمی کی شدت سے بچاؤ

دینِ اسلام کی روشنی میں

مولانا محمد عرفان اللہ اختر

موسم کی تبدیلی اور حرارت و برودت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ سورج، چاند، ہوائیں، بادل اور بارش اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام کرتے ہیں۔ جس طرح سردی ایک نعمت اور آزمائش ہے، اسی طرح گرمی بھی ایک آزمائش ہے اور بعض اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ دینِ اسلام جو فطرت کے عین مطابق ہے، اس نے ہمیں موسمی شدتوں سے نمٹنے کے لیے نہ صرف جسمانی تدابیر سکھائی ہیں، بلکہ روحانی رہنمائی بھی عطا کی ہے، تاکہ ہم اپنے جسم اور ایمان دونوں کو محفوظ رکھ سکیں۔

گرمی میں اللہ کی نشانی اور جہنم کی یاددہانی ہے

قرآن وحدیث میں مختلف جگہوں پر گرمی کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کہیں جہنم کی شدت کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

''اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا کہ وہ تمہیں خوشخبری دیتی ہیں اور اور تاکہ تم کو اپنی رحمت کا مزہ چکھادے۔''

یہ ''رحمت'' کبھی بادل کی صورت میں، کبھی بارش کی صورت میں، اور کبھی ٹھنڈی ہواؤں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، جو گرمی میں راحت پہنچاتی ہے۔

حدیث مبارکہ کی روشنی میں گرمی کی حقیقت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی، اس نے کہا: اے میرے رب! میرے بعض حصے نے

بعض کو کھا لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانسیں لینے کی اجازت دی؛ ایک سردی میں اور ایک گرمی میں۔ پس جو شدید گرمی تم محسوس کرتے ہو، وہ جہنم کی سانس ہے، اور جو انتہائی سردی تم پاتے ہو، وہ بھی اسی کی سانس ہے۔'' (صحیح بخاری: ۵۳۷)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں گرمی کی شدت اصل میں جہنم کی ایک جھلک ہے، تا کہ انسان عبرت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسانی فطرت کو مدِنظر رکھتے ہوئے تعلیمات دیتا ہے۔ گرمی کی شدت کے باعث عبادات میں آسانیاں فراہم کی گئی ہیں۔

ظہر کی نماز میں تاخیر

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جب گرمی کی شدت ہو تو نمازِ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی گرمی سے ہے۔'' (صحیح بخاری: ۵۳۶)

یعنی ظہر کی نماز ایسے وقت میں ادا کی جائے جب سورج کچھ جھک چکا ہو، تا کہ نمازیوں کو راحت ہو۔ سفر میں یا سخت گرمی میں اگر روزہ رکھنا دشوار ہو تو شریعت نے اس میں بھی رعایت دی ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

''اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزے پورے کرے۔''

اسلام نے جسمانی طہارت کو روحانی ترقی کا ذریعہ قرار دیا ہے، اور گرمی کے لیے پانی کا استعمال بھی اس کا اہم پہلو ہے۔ گرمی میں باوضو رہنے سے نہ صرف جسم کو ٹھنڈک ملتی ہے، بلکہ روحانی سکون بھی حاصل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں ایسے عمل کے بارے میں نہ بتاؤں جس سے اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے؟ وہ ہے گرمی میں مکمل وضو کرنا۔'' (مسند احمد)

گرمی کے اوقات میں ظہر سے قبل یا بعد قیلولہ کرنا سنتِ نبوی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''قیلولہ کیا کرو، کیونکہ شیاطین قیلولہ نہیں کرتے۔'' (طبرانی)

قیلولہ سے انسان کو دن کے باقی حصے میں تازگی اور توانائی حاصل ہوتی ہے، خاص طور پر گرمی میں یہ ایک مؤثر طریقہ ہے۔

گرمیوں میں سادہ لباس اور خوراک سنتِ نبوی کی پیروی ہے، رسول اللہ ﷺ سادہ، ہلکا اور کھلا لباس زیبِ تن فرماتے تھے، جو گرمی کے لیے موزوں ہوتا تھا۔

اسلام میں سادگی کو پسند کیا گیا ہے، جس کا تعلق نہ صرف روحانیت بلکہ صحت اور موسم سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ''اور تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔'' (سورۃ الاعراف:۲۶)

گرمی کے موسم میں پانی پلانا اور سایہ دینا بہترین صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ دینِ اسلام میں سب سے بہترین نیکیوں میں سے ایک پیاسے کو پانی پلانا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کسی کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن پیاسا نہیں رکھے گا۔'' (صحیح ابن حبان)

پانی ایک عظیم نعمت ہے، لہٰذا اس نعمت کا احساس اور اس کا کماحقہٗ شکر ادا کرتے ہوئے کوشش کریں کہ اس موسم میں بڑے پیمانے پر پانی کے صدقے کا اہتمام کریں، جیسے نہر جاری کروانا، کنواں کھدوانا، فلٹریشن پلانٹ لگوانا، مساجد و مدارس میں کولر نصب کروانا، جیسے مزدوروں، مسافروں، طالب علموں بلکہ چرند پرند اور جانوروں تک کے پانی کا انتظام کرنا، عوامی مقامات اور ٹریفک اشاروں پر پانی کا انتظام کرنا، وغیرہ۔ کیونکہ یہ صدقہ جاریہ شمار ہوگا، اس سے گرمی کی شدت میں بے پناہ کمی واقع ہوتی ہے۔

گرمیوں میں سایہ فراہم کرنا اللہ کی رحمت میں آتا ہے

بلا وجہ گرمی یا دھوپ میں بیٹھنا اچھا عمل نہیں ہے، کیونکہ گرمی جہنم کی تپش سے ہے، لہٰذا بلا وجہ دھوپ میں بیٹھنا اپنے آپ کو زندگی میں ہی جہنم کی تپش چکھانے کے مترادف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس گرمی کی وجہ سے بعض بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں، چنانچہ اسلام نے انسان کو تکلیف سے دور رکھنے کے لیے خیر خواہی کے طور پر دھوپ اور گرمی میں بیٹھنے سے منع فرمایا۔

چنانچہ سیدنا قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے دھوپ میں بیٹھا ہوا دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''سائے میں آجاؤ۔'' (مسند احمد)

تربوز انسانی صحت کے لیے بہت مفید ہے۔ گرمیوں کے موسم میں آنے والا یہ پھل نہ صرف ذائقے میں مزیدار ہوتا ہے، بلکہ کئی بیماریوں سے بچاتا ہے، گرمی کے موسم میں سب سے بڑا مسئلہ ڈی ہائیڈریشن ہے، لیکن تربوز اس مسئلے سے نمٹنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ پانی سے بھرپور پھل ہے جو اس گرمی کے موسم میں جسم کو پانی فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تربوز یا خربوزہ پکی ہوئی تازہ کھجور کے ساتھ کھاتے تھے اور فرماتے تھے: ہم اس (کھجور) کی گرمی کو اس (تربوز) کی ٹھنڈک سے اور اس (تربوز) کی ٹھنڈک کو اس (کھجور) کی گرمی سے توڑتے ہیں۔‘‘ (ابوداؤد شریف)

اسلام ایک جامع دین ہے جو عبادات، اخلاق، معاملات کے ساتھ ساتھ موسمی اثرات سے بچنے کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ گرمی کی شدت، جہاں اللہ کی قدرت کا مظہر ہے، وہاں ایک آزمائش بھی ہے۔ اگر ہم اسلامی تعلیمات پر عمل کریں، تو جسمانی آرام، روحانی سکون، اور اُخروی نجات حاصل ہوسکتی ہے۔ دعا، وضو، سادہ طرزِ زندگی، قیلولہ، عبادات میں نرمی، دوسروں کی مدد، پانی پلانا، سایہ فراہم کرنا، یہ سب گرمی سے بچاؤ کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا کے بھی ذرائع ہیں۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مزدور کے حقوق
قرآن وسنت کی روشنی میں

مولانا قاری محمد سلمان عثمانی

اسلام میں مزدوروں کے بہت سے حقوق ہیں، جن کو اسلام نے انتہائی اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مزدور ہی اس قوم کا اثاثہ ہے جو روزانہ تازہ کما کر اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے، کسی بھی ملک، قوم اور معاشرے کی ترقی میں مزدوروں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے، مگر سب سے زیادہ حق تلفی بھی انہی کی کی جاتی ہے۔ سرمایہ دار اور جاگیردار طبقے مزدور کا استحصال کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور مزدور اسے اپنا مقدر سمجھ کر صبر کر لیتے ہیں۔ ہمارے سماج میں مزدوروں کا وجود ہے، جسے ہمیں تسلیم کرنا چاہیے۔ مزدوری ہر کوئی کرتا ہے، مگر سب کے درجات الگ ہوتے ہیں۔ ہر مزدور اپنے میدان میں اپنی بساط بھر مزدوری کرتا ہے اور اُجرت حاصل کر کے اپنے اہل وعیال کی کفالت کرتا ہے۔ اسلام نے محنت کو بڑا مقام عطا کیا ہے اور محنتی شخص کی بڑی حوصلہ افزائی کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’خود کمانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے۔‘‘ (طبرانی)

یہ فرما کر محنت کی قدر و قیمت اُجاگر فرما دی۔ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

’’کسی نے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا۔‘‘ (صحیح البخاری)

آپ ﷺ کو ماتحت طبقات جن میں مزدور بھی داخل ہیں کے حقوق کا اس حد تک پاس تھا کہ وصال سے قبل آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے جو آخری وصیت فرمائی، وہ یہ تھی کہ:

’’نماز کا خیال رکھو اور ان لوگوں کا بھی جو تمہارے زیرِ دست ہیں۔‘‘ (مسند احمد، ابوداؤد)

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

’’تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن میں خود جھگڑوں گا، ان میں سے ایک وہ ہوگا

جس نے کسی سے کام کروایا، کام تو اس سے پورا لیا، مگر اسے مزدوری پوری ادا نہ کی۔'' (صحیح البخاری)

مزید ارشاد فرمایا:

''مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل اس کی مزدوری ادا کردو۔'' (ابن ماجہ)

''جو کوئی غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اسی کی ہے (گویا اس کی محنت نے اس کو مالکانہ حقوق عطا کردیے)۔'' (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

اُجرت مزدور کا حق ہے، قرآن حکیم میں آتا ہے:

''جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے ختم نہ ہونے والا (دائمی) اجر ہے۔''

معاہدۂ ملازمت (چاہے معاہدات واضح ہوں یا مضمر) کے جدید تصورات کی پیش گوئی کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے مزدور کو کام کی اُجرت مقرر کیے بغیر بھرتی کرنے اور کام کروانے سے منع کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے۔''

محنت و مزدوری اللہ کے نبیوں کی سنت ہے۔ کم و بیش تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے محنت مزدوری کو اپنا معاش بنایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے زمین کاشت کرکے غلہ حاصل کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے بڑھئی کا کام کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زِرہ ساز تھے اور اپنے ہاتھ کے ہنر سے گزر بسر کرتے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ۱۰ رسال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں۔ پیارے نبی اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے بھی بکریاں چرائیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا، جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' -صحابہؓ کے استفسار پر حضور ﷺ نے فرمایا: -''میں بھی مکے والوں کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا۔'' (صحیح بخاری)

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیؓ حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ مزدوری کرنے کی وجہ سے ان کے ہاتھ میں گٹھے پڑے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے فرمایا: ''یہ وہ ہاتھ ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بڑے پیارے ہیں۔''

محنت کش اللہ کے دوست ہیں

محنت و مزدوری کی عظمت و اہمیت کی دلیل یہ ہے کہ خود ربِ کائنات، مالک ارض و سماء، محنت کش، مزدور کو اپنا دوست قرار دے رہا ہے۔ ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’بیشک اللہ روزی کمانے والے کو دوست رکھتا ہے۔‘‘ (طبرانی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

’’ایک ملازم کم از کم درمیانے درجہ کے عمدہ کھانے اور کپڑوں کا حقدار ہے۔‘‘ اور ’’کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے۔‘‘ اور یہ کہ مقرر کردہ اُجرت ان (مزدوروں) کی بنیادی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ ایک اور موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’تمہارے ہاں کام کرنے والے ملازمین تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری ماتحتی میں دے رکھا ہے، سوجس کا بھی کوئی بھائی اس کے ماتحت ہو اسے وہی کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے۔‘‘

تاریخی مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجی جوانوں کے لیے اُجرت مقرر فرمائی تھی، اس اُجرت پر دورانِ ملازمت مختلف معیارات جیسا کہ مدتِ ملازمت، بہترین کارکردگی اور علمی قابلیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے نظرثانی کی جاتی۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ قرض لیا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقے کے اونٹ آئے، تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اس شخص کا قرض ادا کردوں جس سے چھوٹا اونٹ لیا تھا۔ میں نے کہا: میں تو اونٹوں میں چھ سال کے بہترین اونٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں پاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اسی میں سے اسے دے دو، کیونکہ لوگوں میں بہترین وہ انسان ہیں جو قرض ادا کرنے میں سب سے اچھے ہیں۔‘‘ (موطا امام مالکؒ روایۃ ابن القاسم: ۵۲۴۔ جامع ترمذی: ۱۳۱۸)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس دن مال فئے آتا، آپ اسی دن اسے تقسیم کردیتے، شادی شدہ کو دو حصے دیتے اور کنوارے کو ایک حصہ دیتے، تو ہم بلائے گئے، اور میں عمارؓ سے پہلے بلایا جاتا تھا، میں بلایا گیا تو مجھے دو حصے دیے گئے، کیونکہ میں شادی شدہ تھا، اور میرے بعد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بلائے گئے تو انہیں صرف ایک حصہ دیا گیا۔ (مسند احمد: ۲۲۹۰۵)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں، حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کماتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو اپنی پاک دامنی کی حفاظت اور اپنے پیٹ کی غذا پر‘ آٹھ یا دس سال اُجرت پر دیا۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد مبارک ہے:

’’اللہ نے جتنے اَنبیاء علیہم السلام بھیجے اُن سب نے بکریوں کی نگہبانی کی ہے۔‘‘(مشكاة، باب الإجارة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے:

’’میں قیامت کے دن تین شخصوں کا مدِمقابل ہوں گا، ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ کرکے عہدشکنی کرے، دوسرے وہ شخص جو آزاد کو بیچے، پھراس کی قیمت کھائے، تیسرا وہ شخص جو مزدور سے کام لے اوراس کی مزدوری نہ دے۔‘‘

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں کم سے کم اورزیادہ سے زیادہ اُجرت دونوں کے بارے میں رہنمائی موجود ہے، اس میں کم سے کم اُجرت کی توضاحت کردی گئی ہے، تاکہ مزدور کی بنیادی ضروریات کماحقہ پوری ہوسکیں۔ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے میں جس طرح ’’انصاف پسند اور مناسب معاوضہ‘‘ کی بات کی گئی ہے، اسی طرح اسلام کا موقف ہے کہ ملازمین کو اتنی تنخواہ ملنی چاہیے کہ اس سے بتقاضائے بشری اس کی اوراس کے خاندان کی تمام ضروریات پوری ہوسکیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کے مطابق مزدوروں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

غیر معتبر روایات

فکر و آگاہی کی ضرورت

اُمِ حماد وجیہہ محمد عثمان

تمہید

ہم بحیثیت مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دینِ اسلام کی بنیاد قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی ﷺ پر ہے۔ قرآن وسنت کے بغیر دین کا کوئی تصور نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ وہ دین میں کسی قسم کا اضافہ یا کمی نہ کرے۔ اسی سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان مشہور ہے:

''من كذب عليّ متعمدًا فليتبوأ مقعدہٗ من النار'' (صحیح بخاری:۱۲۹۱، صحیح مسلم:۳)

''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ غیر معتبر اور من گھڑت روایات کی اشاعت دراصل نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے، اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

غیر معتبر روایات کی حقیقت

غیر معتبر یا موضوع (من گھڑت) روایات وہ ہیں جو جھوٹے راویوں نے گھڑ کر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کردیں، یا جو سند و متن کے اصول پر پوری نہیں اُترتیں۔ یہ روایات بظاہر دین کا لبادہ اوڑھ کر آتی ہیں، لیکن حقیقت میں دین سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں تنبیہ

قرآنِ پاک میں واضح الفاظ میں جھوٹ سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے:

①-’’وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ‘‘(الحج:۳۰)

’’اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔‘‘

②-’’وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ‘‘ (النحل:۱۱۶)

’’اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارا محض جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادیں گے۔‘‘

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’كفى بالمرء كذبًا أن يُّحدّث بكلّ ما سمع.‘‘

’’آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہرسنی سنائی بات بیان کرے۔‘‘(صحیح مسلم:۵)

یہ نصوص واضح کرتی ہیں کہ بغیر تحقیق روایت کو پھیلانا جھوٹ کے زمرے میں آتا ہے، اور یہ جھوٹ انتہائی سنگین گناہ بن جاتا ہے جب اسے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے منسوب کردیا جائے۔

غیر معتبر روایات کی تشہیر کے اسباب

❶-علم کی کمی

عوام الناس میں ایک عمومی مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی بات دل کو لگتی ہے یا موقع کی مناسبت سے متاثر کن لگتی ہے تو وہ اس کی تحقیق نہیں کرتے۔ ہرسنی سنائی بات پر یقین کرلیتے ہیں، اور صرف یہی نہیں، بلکہ اس کی تشہیر بھی شروع کردیتے ہیں۔

❷-جذباتیت

جذباتی پن بھی ایک مرض ہے، اور جب یہ مرض شدت اختیار کرلے تو انسان بغیر تحقیق کے محض نیکی کی نیت سے بھی من گھڑت باتوں کو قبول کرلیتا ہے اور انہیں پھیلاتا بھی ہے۔

❸-سوشل میڈیا

سوشل میڈیا جدید دور کا ایک عظیم فتنہ ہے۔ آج کے زمانے میں سب سے زیادہ من گھڑت اقوال اسی کے ذریعے وائرل ہوتے ہیں۔ ایک کلک سے ایک جھوٹی بات ساری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔

4- قصہ گو واعظین

یہ بھی ایک بڑا المیہ ہے کہ چرب زبانی سے متاثر ہو کر لوگ ہر بات کو سچ سمجھ لیتے ہیں۔ قصہ گو واعظین اثر انگیزی کے لیے ضعیف یا موضوع روایات پیش کرتے ہیں۔

5- نیتِ خیر لیکن جہالت

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فضائل وترغیب کے لیے کچھ بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

عملی مثالیں

بعض اقوال عام طور پر حدیث سمجھ کر بیان کیے جاتے ہیں، حالانکہ وہ حدیث نہیں، جیسے:

''حب الوطن من الإيمان'' (المقاصد الحسنة، الباب الأول، حرف الحاء، ص:۲۹۷، رقم:۳۸٦، ط: دار الكتاب العربي-بيروت)

''وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔''

''الصلاة معراج المؤمن'' (اليواقيت الغالية، ج:۲، ص: ٦٦، ٦٢)

''نماز مومن کی معراج ہے۔''

اسی طرح مخصوص دنوں یا اوقات میں کچھ وظائف اوراذکار کی تفصیلات من گھڑت طور پر بیان کی جاتی ہیں۔

غیر معتبر روایات کے نقصانات

دین میں بگاڑ

اصل سنت پس پشت چلی جاتی ہے اور گھڑی ہوئی باتیں دین کا حصہ بن جاتی ہیں اور اس پہ لوگ من وعن یقین کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جھوٹ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے لیے رہبر ورہنما بنا کر بھیجے گئے، اس لیے ان کے اقوال، افعال اور اعمال کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہم تک سینہ بسینہ بہت احتیاط سے پہنچایا، اب اس احتیاط میں بے احتیاطی کر کے جو طبقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے کوئی غلط بات منسوب کرتا ہے، گویا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ

اُمت کے ہر صادق طبقہ کو جھٹلایا اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔

عملی گمراہی

لوگ ضعیف یا من گھڑت اعمال کو لازم پکڑ لیتے ہیں اور اصل سنت سے غافل ہوجاتے ہیں۔

اُمت میں انتشار

جب روایت تحقیق کے بعد غلط ثابت ہوتی ہے تو عوام میں دین پر اعتماد کم ہوسکتا ہے۔ یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب یہ فتنہ عام ہوا تو کیا اس کا سدِ باب نہیں ہوا؟ بالکل ہوا، الحمد للہ، ہر دور میں محدثینِ کرام نے اس فتنے کے رد میں اپنی زندگیاں صرف کردیں۔

محدثین کی خدمات

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے صحیح وضعیف روایات کو الگ کیا، علمِ رجال اور جرح وتعدیل کے اصول مرتب کیے، اور اُمت کو ایسا عظیم علمی ذخیرہ دیا جس سے دین خالص اور محفوظ رہا۔ (کتاب ''غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ'' سے اقتباس)

اکابر محدثین جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ، امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کرامؒ نے اپنی عمریں احادیث کی چھان بین، رواۃ کے حالات اور سند ومتن کی تحقیق میں صرف کیں۔

موضوعات (من گھڑت روایات) کو الگ کرنے کے لیے ان کی خدمات عظیم علمی سرمایہ ہیں۔

سببِ تحریر

اس موضوع پر لکھنے کا مقصد یہ پیغام ہے کہ اس موضوع کے حوالہ سے بہت گمراہی پھیل رہی ہے اور اس پر آگاہی لینا اور دینا بہت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں اس موضوع پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، تاکہ ہم کسی حدیث کے بیان کرنے میں غلطی اور گمراہی سے بچ سکیں۔

حضرت مولانا محمد سالک ربانی رحمۃ اللہ علیہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

۱۳ ؍رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ مطابق ۳؍مارچ ۲۰۲۶ء بروز منگل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی شاخ مدرسہ عربیہ اسلامیہ ملیر کے نگران واستاذِ حدیث اور محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مولانا سالک ربانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ انتقال فرما گئے، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہٗ ما أعطی و کل شیئ عندہٗ بأجل مسمّٰی .

مولانا محمد سالک ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۹ ؍ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری مطابق ۱۶؍دسمبر ۱۹۵۲ء کو ضلع ساہیوال کے مضافات میں گاؤں ملکہ ہانس کے قریب ساٹھ چک میں حضرت مولانا الحاج نور حسین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی گاؤں منگ تحصیل بالاکوٹ ضلع مانسہرہ تھا۔ آپ کے والد مولانا نور حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۸ء میں پنجاب کا رخ کیا، ملکہ ہانس پاکپتن کی جامع مسجد میں امامت و خطابت کرتے رہے، ۱۹۶۰ء میں وہیں مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن کی بنیاد بھی رکھی۔ ۱۹۸۰ء میں آپ اپنی اولاد کی وجہ سے کراچی منتقل ہوگئے۔ مولانا سالک ربانی صاحبؒ کے تین بھائی اور دو بہنیں تھیں، آپ ان میں سب سے بڑے تھے۔ آپ کے دو بھائی بھی جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل ہیں، مولانا عطاء الرحمٰن صاحب نے ۱۹۸۴ء، اور مولانا عبید اللہ صاحب نے ۱۹۹۵ء میں سندِ فراغت حاصل کی، ایک بھائی قاری حبیب الرحمٰن صاحب حافظِ قرآن ہیں۔

آپ نے ابتدائی دینی تعلیم حفظ و ناظرہ اپنے والد کے قائم کردہ ادارے مدرسہ تعلیم القرآن ملکہ ہانس میں حاصل کی، بعد ازاں اپنے علاقہ میں ہی میٹرک مکمل کرنے کے بعد ابتدائی فنون صرف ونحو کی تعلیم اوکاڑہ میں حاصل کی، اس کے بعد صرف ونحو میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ

تشریف لے گئے، جہاں مولانا رسول خان صاحب کے تلمیذ خاص مولانا ابراہیم بالاکوٹی صاحب سے صرف و نحو اور منطق و بلاغت کی بنیادی کتب پڑھیں اور سالانہ امتحان میں سو فیصد نمبرات حاصل کرکے اول پوزیشن حاصل کی۔ بعد ازاں فنون کی تکمیل کے لیے آپ علی پور چٹھہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کے پاس تشریف لے گئے، تاکہ فنون پر کامل دسترس اور رسوخ حاصل ہوسکے، جو آج کے طلبہ میں تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔

اس کے بعد دورۂ تفسیر کے لیے آپ نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کے ادارے تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی کا انتخاب فرمایا، اور حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تین سالہ دورہ تفسیر مکمل کرنے کے بعد شیخ القرآنؒ ہی کے مشورہ سے رحیم یار خان میں مولانا عبدالغنی جاجرویؒ کے ہاں حاضر ہوئے، تاکہ رموزِ اسرارِ قرآنی کے مزید بکھرے موتی سمیٹ سکیں۔

۱۹۷۴ء میں آپ منتہی درجات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کراچی آگئے، اور ۱۹۷۶ء میں درجہ سابعہ میں حضرت بنوریؒ کے ادارے جامعہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لے لیا، ۱۹۷۷ء میں دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ میں ہی بطور مدرس آپ کا تقرر فرمادیا۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ۱۹۸۶ء میں جب جامعہ کی شاخ مدرسہ عربیہ اسلامیہ ملیر کا قیام ہوا، تو حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ کو ملیر شاخ کا نگران مقرر فرمایا۔ آپؒ اپنے وصال تک تقریباً ۴۰ چالیس سال اس منصب پر فائز رہے۔ آپ جامعہ بنوری ٹاؤن کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔

حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں بننے والی تنظیم سوادِ اعظم میں ایک فعال رکن کے طور پر آپؒ نے بھرپور کام کیا، آپ سوادِ اعظم صوبہ سندھ کے امیر بھی مقرر ہوئے، اور ایک طویل زمانہ اس عہدہ پر اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۱۴؍ نومبر ۱۹۸۰ء کو جب مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کی سربراہی میں پاکستان سنی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا تو آپؒ کو خازن مقرر کیا گیا، ۶؍ فروری ۱۹۸۱ء میں ضلع ملیر کے امیر کے طور پر آپؒ کا انتخاب ہوا۔ بعض دینی تحریکات میں اکتوبر ۱۹۸۷ء تا جنوری ۱۹۸۸ء تقریباً ۸۵ دن مفتی احمد الرحمٰنؒ، مولانا سید مصباح اللہ شاہؒ، مولانا اسفند یارؒ، مولانا فضل محمد مدظلہ، وغیرہم اکابر کے ساتھ جیل میں گزارے۔

۱۹۷۶ء میں درجہ سابعہ کے سال مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ کو جامع مسجد حنفیہ F ساؤتھ میں امامت اور خطابت کے لیے منتخب فرمایا، آپؒ نے یہاں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا، جس میں بہت بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے، آپؒ کے اس درسِ قرآن کی برکت سے علاقہ سے شرک و بدعات کا خاتمہ ہوا، اور جو علاقہ اہلِ شرک اور بدعت کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، وہاں توحید و سنت کی روشنیاں پھیل گئیں، اور پورا علاقہ اہلِ حق کا مرکز بن گیا۔ نیز آپ جمعیت علماء اسلام سمیت کئی جماعتوں میں خدمات سرانجام دینے کے ساتھ کئی ایک جماعتوں کی سرپرستی بھی فرماتے رہے، جبکہ اس دوران متحدہ علماء کمیٹی ملیر کی سربراہی بھی آپ کے سپرد تھی،

آپ کی وفات تک بیسیوں مساجد و مدارس آپ کی زیرِسرپرستی خدمت دین میں مصروف عمل تھے، جن میں سے ۱۱ رمدارس خود قائم کرنے کے بعد ان کا انتظام وانصرام آپ نے اپنے معتمدین کے حوالے کر رکھا تھا۔

آپؒ نے حصول علم کے لیے اندرون ملک سمیت بیرون ملک بھی بہت سے اسفار فرمائے، جہاں کئی محقق علماء وشیوخ سے آپ کو استفادہ کا موقع میسر آیا، چنانچہ تکمیل دورہ حدیث کے بعد علماء کے ایک مؤقر وفد کے ساتھ آپ جامعہ ازہر تشریف لے گئے، ۱۸ ر مارچ ۱۹۸۰ء کو مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں آپ کو دار العلوم دیو بند جانے کا موقع میسر آیا۔

۲۶ ر مارچ ۱۹۸۸ء کو مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر علماء کی معیت میں آپ بنگلہ دیش تشریف لے گئے۔ آپؒ نے افغانستان وسعودیہ کے شیوخ سے استفادہ کے لیے وہاں کے اسفار بھی فرمائے۔

آپؒ کو سن ۱۹۸۰ء سے مسلسل حج بیت اللہ وعمرہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوتی رہی، آپ نے ۳۸ حج اور سو سے زائد عمرے ادا فرمائے۔ ان مبارک اسفار میں بعض مرتبہ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ، مفتی سعید احمد جلال پوری شہیدؒ، مفتی جمیل احمد خان شہیدؒ، مفتی نظام الدین شہیدؒ، مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ، جیسے جلیل القدر حضرات کی معیت بھی حاصل رہی۔ عرفات کے میدان میں آپ کی رقت آمیز دعاؤں، اور منیٰ ومزدلفہ وغیرہ میں آپ کے بیانات میں کثیر تعداد شریک ہوتی، جس میں آپ انتہائی سہل انداز میں لوگوں کو فریضۂ حج کی ادائیگی کا طریقہ بتلاتے اور نصائح فرماتے۔

آپؒ مجموعۂ اوصاف وکمالات تھے، جرأت و بہادری اور حق گوئی میں آپ ''لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ'' کی تصویر تھے۔ آپؒ انتہائی ذکی اور معاملہ فہم تھے، مشکل سے مشکل مسائل کو چٹکیوں میں سلجھانا جانتے تھے۔ آپ باکمال مدرس اور لاجواب خطیب تھے، آپؒ کا درس انتہائی پرمغز سادہ اور دلنشیں ہوتا، جسے غبی سے غبی طالب علم بھی باآسانی سمجھ جاتا تھا۔ طلبہ سے آپ کی محبت اور شفقت مثالی تھی، آپ کو ہر طالب علم اپنی اولاد کی طرح عزیز تھا، اس لیے کسی طالب علم کو تکلیف میں دیکھتے تو اس کے لیے فکرمند ہوتے اور اس کی ہر قسم کی معاونت کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔

آپؒ نے جن شیوخ اور اساتذہ سے استفادے کا شرف حاصل کیا، ان میں سرفہرست آپ کے ہر دل عزیز استاذ حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن سے آپ نے بخاری شریف پڑھی، مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ سے ترمذی، مولانا ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے مسلم اول، مولانا بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ سے مسلم ثانی، مولانا مصباح اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے طحاوی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

نیز شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد الغنی جاجروی رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر قرآن کریم

پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ، اس کے علاوہ مولانا عبد الحنان صدیقی اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابراہیم بالاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ سے صرف ونحو پڑھنے کا موقع ملا، جبکہ حفظ قرآن کریم قاری عبد اللطیف ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور قاری امین رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ نیز ۴ ستمبر ۱۹۸۱ کو آپؒ نے حرمِ کعبہ میں میزابِ رحمت کے بالمقابل مولانا بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ سے أبو داؤد ، إرشاد الساري، کتاب أدعیة الحج والعمرة پڑھنا شروع کی۔

آپؒ ابتدا ہی سے مالی اعتبار سے مستحکم تھے، ملکہ ہانس کے بڑے زمینداروں میں آپؒ کا شمار ہوتا تھا، کراچی شہر میں بھی ابتداءً کپڑے کا کام کیا، لیکن تحریک سوادِ اعظم میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ کام کسی عزیز کے ذمہ لگانا پڑا، اس کے بعد مختلف کاروبار کرتے رہے۔ البتہ درس وتدریس میں مشغول ہونے کے باعث خود مکمل کام کبھی نہ کیا۔

آپؒ تقریباً ایک سال تک گردے کے عارضے میں مبتلا رہے اور آخری چند ماہ میں دل کا عارضہ بھی لاحق ہوگیا تھا۔ ۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ مطابق ۳؍مارچ ۲۰۲۶ء بروز منگل فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد نماز کے بعد کی تسبیحات ادا کرتے ہوئے داعیِ اجل کو لبیک کہا، إنا لله وإنا إليه راجعون۔ اسی دن نمازِ عصر سے پہلے تقریباً چار بجے کے قریب آپ کی نمازِ جنازہ جامعہ عربیہ اسلامیہ ملیر شاخ جامعہ بنوری ٹاؤن میں ادا کی گئی اور تدفین بلدیہ ٹاؤن سیکٹر نائن جامعہ احیاء العلوم یاسین مسجد میں اپنے والدین کے پہلو میں ہوئی۔

آپؒ کے پسماندگان میں ایک بیوہ، چار بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں، دونوں بیٹے حافظ وعالم ہیں، اور اس وقت جامعہ خاتم النبیین میں تدریس سے وابستہ ہیں، بڑے بیٹے مولانا انس سالک ہیں جو جامعہ بنوری ٹاؤن سے ۲۰۱۶ء میں سند فراغت حاصل کر چکے ہیں، جنہوں نے اس مضمون کی تیاری میں تعاون کیا اور معلومات فراہم کیں، فجزاہ اللہ خیرا واحسن الجزاء، جبکہ چھوٹے بیٹے مولانا حذیفہ سالک بھی جامعہ سے ۲۰۱۷ء میں فراغت حاصل کر چکے ہیں، اسی طرح آپؒ کی چاروں صاحبزادیاں بھی حافظہ وعالمہ ہیں، نیز آپؒ کے بھانجے بھانجیوں اور بھتیجے بھتیجیوں میں بھی کثیر تعداد میں حفاظ وعلماء موجود ہیں، جو مختلف شعبوں میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی تمام دینی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے۔ صاحبزادگان اور تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین ثم آمین

حج ۲۰۲۶ء کی قانونی پابندیوں کی وجہ سے

رمی، قربانی اور حلق یا قصر میں ترتیب کا حکم

ادارہ

سوال

سعودی حکومت کی جانب سے سال ۲۰۲۶ء کے حج ٹور آپریٹرز کو اس بات پر پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنے حجاج کی قربانی حکومت کے منتخب عاملین کے ذریعہ سے کروائیں گے اور اس قربانی کی تمام تر رقم NUSUK MASAR کے ذریعہ پیشگی ادا کی جائے گی۔ اب تک کی ہدایات کے مطابق منتخب عاملین کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے قربانی کرنا سخت منع اور موجبِ جرمانہ وگرفتاری ہوگا۔ سعودی حکومت کے زیرِ اہتمام یہ قربانی ایامِ نحر کے تمام دنوں میں ہوگی۔ رقم کی ادائیگی کے بعد حج ٹور آپریٹرز کو وقت متعین کرکے بتادیا جائے گا کہ آپ کے حجاج کی قربانی فلاں دن فلاں وقت تک ہوجائے گی، لہٰذا اس کے بعد حلق کروالیں۔ اس طریقۂ کار پر عمل کرنے میں بعض پیچیدگیاں اور شرعی قباحت کے پیدا ہونے کا امکان ہے، مثلاً:

1- اگرچہ اب تک کی اطلاع ہے کہ قربان گاہ میں ٹور آپریٹرز کا نمائندہ موجود ہوگا، مگر سابقہ تجربات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مشکل امر ہوگا، لہٰذا اگر قربان گاہ میں کوئی نمائندہ موجود نہ ہوا تو قربانی کی تصدیق مشکل ہوگی کہ آیا قربانی کی بھی گئی ہے یا نہیں؟

2- دیے گئے وقت تک رمی نہ ہوا اور اس سے قبل قربانی کردی گئی تو ترتیب ٹوٹنے پر دم لازم آئے گا۔

3- رمی تو اول وقت میں کرلی، لیکن قربانی کا وقت شام، رات یا دوسرے دن کا کوئی وقت دیا گیا ہو تو حاجی کے لیے احرام کی پابندیوں کے ساتھ انتظار کرنا ایک مشکل امر ہوگا۔ ان تمام ممکنہ صورتوں سے نکلنے کے

لیے آپ کی شرعی راہ نمائی درکار ہے کہ ایسا کیا طریقہ اختیار کیا جائے کہ تمام مناسک بحسن وخوبی سرانجام پائیں اور کسی بھی قسم کے شرعی قواعد کی خلاف ورزی کے موجب نہ ٹھہریں۔

جواب

صورتِ مسئولہ میں حجِ قران اور تمتع کرنے والے کو چاہیے کہ وہ حتی الامکان رمی، حج کی قربانی اور حلق یا قصر کے درمیان ترتیب کی رعایت رکھے، اس کے لیے وہ متعلقہ ذمہ داران سے رابطہ میں رہے، جب وہ حاجی کو یہ بتادیں کہ آپ کی قربانی ہوگئی تو وہ حلق یا قصر کروالے۔

اور اگر متعلقہ ذمہ داروں کو مذبح خانوں تک رسائی نہ دی جائے اور کسی بھی ذریعہ سے انہیں یہ معلوم نہ ہوسکے کہ قربانی دیے گئے وقت پر ہوچکی ہے یا نہیں؟ تو حکومتی اداروں پر اعتماد کرتے ہوئے مقررہ وقت کے بعد حلق یا قصر کروانا جائز ہے۔

لیکن اگر قانونی پابندیوں کی وجہ سے ترتیب برقرار نہ رہ سکے، یا ترتیب کی رعایت رکھنے میں شدید حرج ہو اور اس وجہ سے ترتیب کی رعایت نہیں رکھی گئی تو دم لازم نہیں ہوگا، اس صورت میں قانونی پابندیوں کی وجہ سے صاحبین رحمہما اللہ کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے، جو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول ہے، جسے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''الحجة على أهل المدينة'' میں ذکر کیا ہے، تاہم اگر کوئی حاجی اس صورت میں احتیاطاً دم دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ ''الحجة علىٰ اهل المدينة'' میں ہے:

''أخبرنا محمد عن أبي حنيفة في الرجل يجهل وهو حاج فيحلق رأسه قبل أن يرمي الجمرة أنه لا شيء عليه، وقال أهل المدينة: إذا جهل الرجل فحلق رأسهٗ قبل أن يرمي الجمرة افتدى. وقال محمد الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذٰلك مشهور بين أنه سئل يوم النحر عمن حلق رأسه قبل أن يرمي، قال: ارم ولا حرج، فما سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن شيء يومئذ قدم و لا أخر إلا قال: افعل ولا حرج.''

(الحجة على أهل المدينة لمحمد بن الحسن الشيباني: ۲/ ۳۷۲، ط: عالم الكتب، بيروت)

''فتح القدير'' میں ہے:

''(ومن أخر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبي حنيفة، وكذا إذا أخر طواف الزيارة) حتى مضت أيام التشريق (فعليه دم عندهٗ وقالا: لاشيء عليه في الوجهين) وكذا الخلاف في تأخير الرمي وفي تقديم نسك على نسك كالحلق قبل الرمي ونحر القارن قبل الرمي والحلق قبل الذبح،

لهما أن ما فات مستدرك بالقضاء ولا يجب مع القضاء شيء آخر، ولهٗ حديث ابن مسعود – رضي الله عنه – أنه قال: '' من قدم نسكا على نسك فعليه دم '' ولأن التأخير عن المكان يوجب الدم فيما هو موقّت بالمكان كالإحرام، فكذا التأخير عن الزمان فيما هو موقّت بالزمان.

و في الفتح: (قوله لهما أن ما فات مستدرك بالقضاء إلخ) ولهما أيضا من المنقول ما في الصحيحين '' أنه – عليه الصلاة والسلام – وقف في حجة الوداع، فقال رجل: يا رسول الله! لم أشعر، فحلقت قبل أن أذبح، قال: اذبح ولا حرج، وقال آخر: يا رسول الله! لم أشعر، فنحرت قبل أن أرمي، قال: ارم ولا حرج، فما سئل يومئذ عن شيء قدم ولا أخر إلا قال: افعل ولا حرج.'' والجواب أن نفي الحرج يتحقق بنفي الإثم والفساد، فيحمل عليه دون نفي الجزاء، فإن في قول القائل لم أشعر ففعلت ما يفيد أنه ظهر له بعد فعله أنه ممنوع من ذٰلك، فلذا قدم اعتذارهٗ على سؤاله وإلا لم يسأل أو لم يعتذر. لكن قد يقال: يحتمل أن الذي ظهر له مخالفة ترتيبه لترتيب رسول الله –صلى الله عليه وسلم – فظن أن ذٰلك الترتيب متعين فقدم ذلك الاعتذار وسأل عما يلزمه به، فبين –عليه الصلاة والسلام– في الجواب عدم تعينه عليه بنفي الحرج، وأن ذٰلك الترتيب مسنون لا واجب. والحق أنه يحتمل أن يكون كذٰلك، وأن يكون الذي ظهر له كان هو الواقع إلا أنه – عليه الصلاة والسلام – عذرهم للجهل وأمرهم أن يتعلموا مناسكهم، وإنما عذرهم بالجهل؛ لأن الحال كان إذ ذاك في ابتدائه، وإذا احتمل كلا منهما فالاحتياط اعتبار التعيين والأخذ بهٖ واجب في مقام الاضطراب، فيتم الوجه لأبي حنيفة، و يؤ يدهٗ مانقل عن ابن مسعود – رضي الله عنه – ''من قدم نسكا على نسك فعليه دم'' بل هو دليل مستقل عندنا.'' (فتح القدير، كتاب الحج، باب الجنايات: ٣ / ٦٣، ط: دار الفكر، لبنان)

''شرح عقود رسم المفتي'' میں ہے:

''والحاصل أنه إذا اتفق أبو حنيفة و صاحباه على جواب لم يجز العدول عنه إلا لضرورة و كذا إذا وافقه أحدهما و أما إذا انفرد عنهما بجواب و خالفاه فيه، فإن انفرد كل منهما بجواب أيضًا بأن لم يتفقا على شيءٍ واحدٍ فالظاهر عدم ترجيح قولهٖ أيضًا و أما إذا خالفاه واتفقا على جواب واحد حتى صار هو في جانب وهما في جانب، فقيل: يرجح قوله أيضًا و هٰذا قول الإمام

عبدالله بن المبارك، و قيل: يتخير المفتي. وقال في السراجية: والأول أصح إذا لم يكن المفتي مجتهدًا، و هٰذا يفيد اختيار القول الثاني إن كان المفتي مجتهدًا. ومعنى تخييره أنه ينظر في الدليل فيفتي بما يظهر له و لايتعين عليه قول الإمام، و هٰذا الذي صححهٗ في الحاوي أيضًا بقوله: والأصح أن العبرة لقوة الدليل؛ لأن اعتبار قوة الدليل شأن المفتي المجتهد، فصار فيما إذا خالفه صاحباه ثلاثة أقوال: الأول: اتباع قول الإمام بلاتخيير. الثاني: التخيير مطلقًا. الثالث: و هو الأصح التفصيل بين المجتهد و غيره، و به جزم القاضي خان كما يأتي، و الظاهر أن هٰذا توفيق بين القولين بحمل القول باتباع قول الإمام على المفتي الذي هو غير مجتهد وحمل القول بالتخيير على المفتي المجتهد ... وإن خالفه صاحباه في ذٰلك، فإن كان اختلافهم اختلاف عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة يأخذ بقول صاحبيه لتغيير أحوال الناس و في المزارعة والمعاملة و نحوها يختار قولهما لإجماع المتأخرين على ذٰلك، و فيما سوي ذلك يخير المفتي المجتهد و يعمل بما أفضي إليه رأيه، و قال عبدالله بن المبارك: يأخذ بقول أبي حنيفة ... لايرجح قول صاحبيه أو أحدهما على قوله إلا لموجب و هو إما لضعف دليل الإمام و إما لضرورة والتعامل، كترجيح قولهما في المزارعة والمعاملة وإما لأن خلافهما لهٗ بسبب اختلاف العصر والزمان وأنه لو شاهد ما وقع في عصرهما لوافقهما كعدم القضاء بظاهر العدالة.'' (شرح عقود رسم المفتي، ص:٣٨ إلى ٤١، ط:مكتبة البشرى)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:144708101883 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

گزشتہ سالوں میں سونے کی زکاۃ ادا نہ کی ہو تو اب کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال

اگر کسی نے پچھلے سالوں میں سونے کی زکاۃ ادا نہیں کی اور اب دینا چاہتا ہے، تو کیا پچھلے سالوں کے سونے کا ریٹ لگے گا، یا آج کے سونے کے ریٹ کا حساب ہوگا؟

جواب

اگر گزشتہ سالوں میں بقدرِ نصاب سونا ہونے کے باوجود زکات ادا نہ کی ہو اور اس وقت زکاۃ کا حساب کرکے نوٹ بھی نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں اب جس دن زکاۃ ادا کی جائے اس دن سونے کی جو قیمت ہو اس کا اعتبار ہوگا، یعنی گزشتہ سالوں کی زکاۃ سونے کے موجودہ ریٹ کے حساب سے ادا کی جائے گی۔ ''بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع'' میں ہے:

''وإنما لهٗ ولاية النقل إلى القيمة يوم الأداء فيعتبر قيمتها يوم الأداء، والصحيح أن هٰذا مذهب جميع أصحابنا.''

(كتاب الزكاة، فَصْل صفة الواجب في أموال التجارة، ۲ / ۲۲، ط: دار الكتب العلمية)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144109201443 — دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

عورتوں کا قبرستان جانا

سوال

❶- جوان یا بوڑھی عورت کا قبرستان جانا کیسا ہے؟ اگر جاسکتے ہیں تو دن کے کس حصے میں جانا مناسب رہے گا؟ نیز قبرستان جانے میں کن باتوں کو مدِنظر رکھنا چاہیے؟

❷- اگر کسی کا عزیز فوت ہو جائے تو وہ عورت قبر پر جاکر پرندوں کو دانہ پانی ڈالے، یہ درست ہے؟

الجواب حامدًا و مصليًا

❶- واضح رہے کہ عموماً عورتیں مردوں کی بنسبت کم ہمت ہوتی ہیں، آہ وبکا، جزع فزع بہت زیادہ کرتی ہیں، اس لیے جوان عورتوں کا قبرستان جانا مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی عورت بوڑھی ہو اور عبرت اور تذکرۂ آخرت کے لیے قبرستان جائے تو اس شرط کے ساتھ اجازت ہے کہ وہ جزع فزع نہ کرے، اس کے لیے بھی بہتر یہ ہے کہ نہ جائے، گھر ہی سے ایصالِ ثواب کرلیا کرے، اگر کبھی شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے جائے بھی تو دن کے وقت میں جائے۔ ''البحر الرائق'' میں ہے:

’’(قوله: وقيل تحرم على النساء الخ) قال الرملي: أما النساء إذا أردن ز يارة القبور إن كان ذٰلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ماجرت به عادتهن فلاتجوز لهن الز يارة ، وعليه حمل الحديث: ’’لعن الله زائرات القبور.‘‘ وإن كان للاعتبار والترحم والتبرك بز يارة قبور الصالحين، فلابأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب، كحضور الجماعة في المساجد .‘‘(البحر الرائق شرح كنزالدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري، ج:۲، ص:۲۱۰)

❷-قبروں پر دانہ پانی ڈالنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ قابلِ ترک ہے، لہٰذا اس سے احتراز کیا جائے، قبروں پر دانہ پانی ڈال کر قبر کو پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ بنانے کے بجائے یہ رقم غریبوں کو صدقہ وخیرات کر کے اس کا ثواب میت کو بخش دیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، تاکہ میت کو فائدہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے:

’’عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ’’من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد.‘‘(سنن ابن ماجة، باب تعظيم حديث الرسول صلى الله عليه وسلم، ج:۱، ص:۷، ط: دار إحياء الكتب العربية)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:1441-6008 | دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

نَقدُ و نظَر

ادارہ

فقہ اسلامی (ایک جامع تعارف)

تالیف: مفتی عبید الرحمٰن (رئیس دار الافتاء والارشاد، مردان)۔ صفحات: ۱۹۱۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔
ناشر: مکتبہ دار التقویٰ، مردان۔ ملنے کا پتہ: دار الافتاء والارشاد، مردان۔ رابطہ نمبر: 0300-9326101

علم فقہ احکامِ شریعت کا وہ علم ہے جو شریعت کے بنیادی دلائل (قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) سے حاصل ہوتا ہے۔ درحقیقت فقہ شریعت کا آئین و قانون ہے، جس کی روشنی میں ایک مسلمان اپنی زندگی گزارتا ہے۔ فرض، واجب، سنت و مستحب، جائز و ناجائز، حلال و حرام، مکروہ، وغیرہ احکام کے درجات اسی علم کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ اس علم سے متعلق بہت سی ابحاث اور موضوعات ہیں، جن سے واقفیت ایک عالم اور مفتی کے لیے ضروری ہے، زیرِ تبصرہ کتاب میں انہی ضروری ابحاث کو جمع کیا گیا ہے۔ کتاب میں کل سات ابواب ہیں جن کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے:

بابِ اول میں فقہ کی تعریف، غرض و غایت، اہمیت، فضیلت و فوائد، فقہی کتابوں کی ترتیب و تبویب وغیرہ موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بابِ دوم میں فقہی مباحث کے دائرہ کار، علم فقہ کی شاخیں، فقہ حنفی کی شاخیں، فقہ حنفی کی کتب، علم فقہ سے متعلق دیگر نو علوم کا تعارف، وغیرہ موضوعات لائے گئے ہیں۔ بابِ سوم میں فقہ و حدیث اور طبقاتِ فقہاء و محدثین کا باہمی ربط و تعلق، مجتہد اور عام فقیہ کے درمیان فرق وغیرہ عنوانات سے بحث کی گئی ہے۔ بابِ چہارم میں برصغیر میں فقہ کا پس منظر، نتائج اور تجاویز اور فقہ کے خلاف مختلف تحریکوں جیسے تحریک عدمِ تقلید، جدت پسندی اور سہولت پسندی وغیرہ سے متعلق مواد جمع کیا گیا ہے۔ بابِ پنجم میں فقہی اختلافات کے اسباب و نتائج اور ائمہ اربعہ کے اختلاف کے اسباب وغیرہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ بابِ ششم میں فقہ کی تدوینِ جدید کے دعوے کی واقعیت اور ضرورت پر بحث کر کے تجدید کے دعوے داروں کے دعاوی کا تجزیہ اور تردید کی گئی ہے۔ بابِ ہفتم میں فقاہت، اہمیت، معیار اور اس کے حاصل کرنے کے طریقہ کار کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ متعلقہ موضوع پر اچھی اور مفید معلومات جمع کی گئی ہیں، جو لائقِ مطالعہ ہیں۔ جزوی طور پر اختلاف کی گنجائش کے ساتھ مجموعی اعتبار سے کتاب کے مندرجات قابلِ اطمینان ہیں۔